یکے از مطبوعات میوات اکیڈمی

حکایاتِ میوات

جلد اوّل

ترتیب و تالیف

فہیم خاں میواتی

میوات اکیڈمی ـــــ لاہور (پاکستان)

یاد کروں اللہ تو ہی دُنیا پہ چھایو

میرا تو کریو معاف گناہ، عقل، گن گیان بتایو

تینے گُن کے دیا ہُسانس عقل میں نے تو سو پائی

کر دے میری مشکل کو آسان مدد پہ تو آپ الٰہی

سُنیو پیدا کرتا میں عرضٹ ہوں توئے

جا کی میں دُنیا میں چرچا کروں ایسی عقل دیا نے موئے

مؤلف

بجنے گئے باجا گیا، ٹوٹ گیا سب تار
سُننُ والا چل بسا اب رہی بجاون ہار

انتساب
گلشنِ میوات کے
انمول پھول
چودھری خورشید احمد خاں (مرحوم)
"سا کرس والے" کے نام
جو کھلے مگر بے وقت ہی مُرجھا گئے

ترتیب

مُقدّمہ

برصغیر پاک و ہند میں زبانوں کا جس طرح جال پھیلا ہوا ہے۔ دنیا کے کسی اور خطّہ میں اُس کی مثال ملنا محال ہے۔ یہاں کی بیشتر زبانیں انتہائی عروج و کمال کے بعد زوال پذیر ہوئیں۔ اور کچھ اپنی جولانی کی آب وتاب سے اہل ادب کی آنکھوں کو ابھی تک چندھیا رہی ہیں۔ ایسی بھی زبانیں اب تک موجود ہیں جن میں علم وادب کے انمول جواہر تو بدرجہ اتم موجود ہیں۔ مگر وہ رہیں گوشۂ گمنامی میں۔

"لسانیاتی جائزہ ہند" لکھتے وقت گریرسن اُسے فراموش کر جائیں، حافظ محمود شیرانی اُس کی قدامت کے تو مقر ہوں مگر ادبی جواہر انہیں نہ مل سکیں، ڈاکٹر مسعود حسین خان "ادبی نمونے ناپید ہیں" کا طعنہ دیں۔ میئو لوگوں کی زبان "میواتی" ہے۔ جو ضابطۂ تحریر میں نہ ہونے کے سبب گمنامی میں پڑی سسک رہی ہے۔

"میواتی" زبان ادبی نمونوں سے مالا مال ہے۔ اُردو کی تخلیق میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اہل ادب کو اپنی پوری چکاچوند دکھانے کی اہل ہے، غرضیکہ یہ کان جواہر سے تو بھری ہوئی ہے۔ لیکن اس کے ہیرے پرکھے نہ جا سکے۔

اِس گمنام اور فراموش شدہ زبان میں "حکایات میوات" پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

راقم الحروف ادبی آدمی تو نہیں البتہ ادب سے لگاؤ رکھتا ہے۔ مجھے اِس امر کا بھی اعتراف ہے کہ میں نہ انگریزی سے ہی بخوبی واقف ہوں۔ اور نہ ہی فارسی و ہندی سے کماحقہٗ آگاہ۔ اِس حقیقت سے انکار بھی نہیں کہ نہ تو انشاپرداز

ہوں اور نہ ہی مضمون نگار، مجھ کو شاعری و سخن سنجی میں دخل نہیں اور نہ ہی شعر فہمی کا ذوق - تاہم دن بھر دفتری مصروفیات میں اُلجھا رہنے کے بعد کچھ نہ کچھ وقت نکال کر میواتی جواہر پاروں کی تلاش میں سرگرداں رہنا مشغلہ بنا رکھا ہے۔ جو کچھ بھی ضبطِ تحریر کیا ہے اس میں اپنی استعداد اور اپنی پسند کا لحاظ رکھا ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی مسلّم ہے کہ ہر شخص کا انتخاب اُس کے ذوق کے مناسب ہوتا ہے۔ سب کا مذاق یکساں نہیں ہو سکتا۔ یہ میرا مذاق ہے۔

میری کوشش کا جو نچوڑ ہے اُسے "حکایاتِ میوات" کی تین جلدوں میں مکمل کرنے کا ارادہ ہے۔ البتہ ابھی جلدِ اوّل ہی کا اہتمام ہو سکا ہے جو میری محنت کا ثمر ہے۔ اور قارئین کی ضیافت طبع کا سامان۔ یہ میری اوّلین کاوش ہے۔ اگر ناظرین کو اس انتخاب میں کوئی سقم نظر آئے تو اُس میں میرے مذاق و کوشش کی کمی ہوگی نہ کہ شاعری اور زبان کا نقص۔

میواتی ادب ایک خزانہ ہے جس میں مجھے ابھی تک مندرجہ ذیل ہیروں کا سُراغ لگ سکا ہے۔ اِس خزینے پر ناگ بنا بیٹھا رہوں نامناسب ہے۔ کوئی بھی ہمدم اِس سلسلے میں اپنی قلم کی جولانی دکھائے تو دامے، درمے، سخنے ہمہ وقت حاضر ہوں۔ اور اگر میری معاونت کرے تو صد تشکر۔

۱ :-	گھرچڑی، میئو خاں	۲ :-	کولاتی کی بات
۳ :-	ہرسازکی بات	۴ :-	بہرام بادشاہ
۵ :-	شمس الدین پٹھان	۶ :-	رستم پیلتن
۷ :-	جگدیو پنوار	۸ :-	جگمال پنوار
۹ :-	کپور ساہوکار	۱۰ :-	بین شہزادی
۱۱ :-	اکڈال ساہوکار کو کھنداوا	۱۲ :-	شہزادی کی بات

۱۳:- چندر اول گوجری

۱۴:- جل میدو کی بات

۱۵:- نل راجہ کو بیکنتہ

۱۶:- بیر بکرماجیت کی بات

۱۷:- امر سنگھ راٹھوڑ

۱۸:- رانا سانگا کی بات

۱۹:- میراں صاحب کو جنگ

۲۰:- ساونت سنگھ، جسمال

۲۱:- روپ، بسنت

۲۲:- چور جہانگیر

۲۳:- عالمگیر اور سعد عمر

۲۴:- حضرت علیؓ کی بات

۲۵:- حضرت یوسفؑ کی بات

۲۶:- کاگ اور کاگلی

۲۷:- مینڈکی اور گھوڑا

۲۸:- روہتیس اسفند

۲۹:- ہیرا ساہوکار

۳۰:- ہرمزؔ کی بات

۳۱:- گورا اور رتنا گر

۳۲:- دھن سنگھ کی بات

۳۳:- ہنس اور ہنسی کی کہانی

۳۴:- جنگ بدر

۳۵:- سیٹھ کی بات

۳۶:- راسینا کی کہانی

۳۷:- آلکہ کنواں کی لڑائی

۳۸:- دریا خاں کا بیاہ

۳۹:- دریا خاں کا چالا

۴۰:- اٹل اور ہین کی بات

۴۱:- خوشیا پہلوان

۴۲:- ۱۹۶۵ء کی لڑائی

ان جواہر پاروں کی تقسیم دو طریق پر ہو سکتی ہے۔ ایک کے کردار و واقعات میوات کے ہیں اور دوسرے درآمد شدہ ہیں۔ جنہیں اور کہانیوں سے اخذ کر کے میواتی کے قالب میں ڈھال لیا گیا ہے۔

میواتی زبان

راجستھان کی شمال مغربی بولی

جغرافیائی حدود کے لحاظ سے میواتی زبان کے ڈانڈے ایک طرف برج بھاشا سے اور دوسری طرف بانگرو سے جا ملتے ہیں۔ اس کا مرکز ریاست الور ہے۔ البتہ نواح دہلی، ضلع گوڑگاؤں اور ریاست بھرت پور میں بھی میواتیوں کی زبان ہے۔ علاقہ میوات میں بسنے والی جملہ ہندو اقوام کی بولیاں جدا جدا ہیں۔ تاہم ان پر میواتی کی چھاپ نمایاں انداز میں لگی ہوئی ہے۔

برج بھاشا کے خاندان کی زبان ہونے کے سبب اس زبان میں بھی ذ، ز ض اور ش نہیں بولے جاتے۔ اول الذکر چار لفظوں کے لئے "ج" اور موخر الذکر کے لئے "س" مستعمل ہے۔ جمع بنانے کا طریقہ دنیا کی تمام زبانوں سے سہل ترین ہے۔ واحد کے آگے صرف "ں" کا اضافہ۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر مسعود حسین خان کو تدرسے سہو ہوا ہے۔ انہوں نے مقدمہ تاریخ زبان اردو "مطبوعہ اردو مرکز لاہور کے صفحہ ۱۹۲ پر میواتی میں مروج طریق پر بحث کی ہے۔ موصوف نے گھوڑا کی جمع "گھوڑاں" درج کی ہے جو درست نہیں "گھوڑاں" لکھنا چاہیے تھا۔ اسی طرح اسمائے ضمائر میں تھم، آپ، اپنڑا کی بجائے میں، تو، مجھ، مو، میرے، میرو، مہارو، تیرے، تیرو، تہارو، تم، تھم تیج موجود ہیں۔ افعال میں ہیں سوں، ہیں ساں، ہم سیں، ہم ساں تو اہیڑوانی میں مستعمل ہیں۔ میواتی میں تو میں ہوں، میں ہو، ہم ہا اور ہم ہاں بھی بولے جاتے ہیں۔

ادبی نمونے

اُردو زبان کی تخلیق کے سلسلے میں ابھی تک جتنے بھی نظریے سامنے آئے ہیں
اُن میں مولانا آزاد اور ڈاکٹر مسعود حسین خان کے نظریات میں قدرے مطابقت ظاہر
ہوتی ہے۔ مولانا آزاد کی شہرۂ آفاق کتاب "آبِ حیات" کا "یہ آتنی بات تو
ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری اُردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے۔ اور برج بھاشا خاص
ہندوستانی زبان ہے" کے جملے سے آغاز ہوتا ہے۔ اور پھر مولانا موصوف اِس جملہ پر
"اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ دِہلی میں مسلمانوں کی آمد کے وقت کونسی زبان بولی جاتی تھی۔
یقیناً وہ راجستھانی ہوگی یا برج" میواتی کے قریب آجاتے ہیں دوسری طرف ڈاکٹر مسعود حسین
بھی اِسی چھان پھٹک میں "دکنی کی لسانی خصوصیات کا تقابل نواحِ دہلی کی بولیوں"
سے ایک نئے لسانی نظریے کی تشکیل کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا کہ میواتی میں
"ادبی نمونے ناپید ہیں" اِس لحاظ سے تو دُرست کہ تحریری طور پر یہ سرمایہ اکٹھا گر
نہیں ہو سکا تھا اور پھر دو ہی میواتی تعلیم یافتہ حضرات ہمارے سامنے ہیں جو شیرانی
صاحب کے ہمعصر تھے۔ ایک یعقوب خاں قیصری تاریخ میوات کے مؤلف اور دوسرے
مولانا عبدالشکور میواتی جن کی تاریخ میو چھتری دہلی سے ۱۹۱۹ء میں طبع ہوئی۔ ان
حضرات نے تاریخِ میو پر تو قابلِ قدر کام کیا۔ لیکن میواتی زبان و ادب کے لئے کچھ نہ کر سکے۔
اُردو ادب کے محققین نے جن میں حافظ محمود شیرانی سرِ فہرست آتے ہیں۔ اُردو کی ابتدا
کی تحقیق کے سلسلے میں برصغیر کی بیشتر علاقائی زبانوں کو کھنگال ڈالا۔ اُن کی عقابی نظر سے
صرف میواتی ہی اوجھل رہی اس کی واحد وجہ کسی تحریری نمونہ کی ناپید تھی۔

جس کان میں دوہے، رتوائی، بارہ ماسہ، بارہ ماسی، ہولی، دوہی، مورٹھے، رسیے
گیت، تعریف، دوہے بھری کہانیاں، کہاوت، حکایات، ضرب الامثال، محاورات

شعری انداز میں پہیلیاں، سبھی کچھ موجود ہو اور پھر ادبی نمونے ناپید کا طعنہ سُنے تو اِس میں میواتی کی بدقسمتی ہویدا ہے۔ اور اس بدقسمتی کے وہ تعلیم یافتہ افراد ذمہ دار ہیں۔ جنہوں نے زیورِ تعلیم سے آراستہ ہو کر پہلے تو اپنی تہذیب و تمدن سے بیزاری کا اظہار کیا اور پھر زبان کو ترک کر دیا۔ ایسے حضرات سے زبان و ادب کی خدمت کی توقع کرنا عبث ہے۔

میواتی شاعری کے سلسلے میں یہ حقیقت عیاں ہے کہ اس کے پاسبان قطعی ان پڑھ حضرات ہیں۔ جنہوں نے اس انمول دفینے کو اپنے سینوں میں محفوظ کئے رکھا اور زمانے کی دست برد سے بچاتے ہوئے اُسے آج تک زندہ رکھ لیا۔

جے میں ایسو جانتی پیت کرے دُکھ ہوئے نگر ڈھنڈورو پیٹتی پیت نہ کریو کوئے	میواتی میرا بائی
اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را نمی کردم بدل روشن چراغ آشنائی را	فارسی شیخ سعدیؒ
وارث شاہ میں اوس فیلے نوں جھور واسی جس ویلڑے اکھیاں لا بیٹھا	پنجابی وارث شاہ

اب اِن ادبی نمونوں کی وسعت کا فیصلہ قارئین کرام ہی کریں

اور پھر جدائی کے اِس مضمون کے تقابل کے لئے دنیائے ادب کا شہ پارہ لا کر تو دکھائیں۔ سے

تنک سرک تو سو کہی کیا ہٹ پڑ گی تو ئے
جیسے سُرپ تجے ہے کانچلی پیا تو ایسے تجو موئے

"سرپ تجے ہے کانچلی" جیسا مضمون کسی شاعر سے شاید ہی آج تک دنیائے ادب میں باندھا جا سکا ہو۔

کچھ کتاب کے بارے میں

تاریخ زبانِ اردو کی ٹوہ میں سرگرداں حضرات کی خاطر "میواتی" کا تحریری نمونہ پیش کرنے کے لئے "حکایاتِ میوات" کو مرتب کیا ہے۔ "اودیس سو آوَن والا ایتا" ایک اعلےٰ تعلیم یافتہ میواتی شاعر کے جذبات ہیں۔ جنہیں جلد ہٰذا کے شروع میں جگہ دی گئی ہے۔ اس نظم سے میواتی معاشرہ کی صحیح عکاسی ہوتی ہے۔ البتہ شاعر کی تعلیم کی وجہ سے کہیں کہیں میواتی زبان پر اردو کی چھاپ لگ گئی ہے تاہم مناسب انداز میں کئی جگہ مجھے بھی ایسی ہی دِقت کا سامنا کرنا پڑا۔ مثلاً شہزادی کی سجادی۔ مرضی کو مرجی اور گذر کو گجر لکھا تو یہ الفاظ عجب سے دکھائی دینے لگے۔

"حاجی قاسم کی بات" اس مجموعہ کی دوسری کہانی ہے۔ کتھا اردو میں اور دوہے میواتی میں۔ یہاں میواتی میں مروج طریق کی بجائے اردو اور میواتی کا امتزاج کیا ہے۔ کتھا کو اردو کے روپ میں اس لئے ڈھالا کر اس زبان کا تعارف مقصود ہے۔ میو چوپال میں سینکڑوں صاحبانِ ذوق کی موجودگی میں طبلہ اور ہارمونیم بجا کر میراثیوں کی ایک منڈھلی "ایسی کہانیوں کو ترنم سے سناتی ہے۔ تعریف و توصیف کے علاوہ نقد انعام بھی حاصل کرتی ہے۔ اس کہانی میں انتہائی سبق آموز اور دکھ بھرے واقعات آئے ہیں۔ ایسی حکایت میواتی میں "ستوادی بات" کہلاتی ہے۔ حاجی قاسم کی بات زیادہ پرانی نہیں۔ گمان غالب ہے کہ اہلِ میوات میں اسلام پھیلانے کی یہ بھی ایک کوشش ہے۔ کہانی کو تخلیق کار نے نبھانے کی بھرپور کوشش کی ہے کہیں جھول نہیں آنے دیا۔ اس کی اٹھان اور رفتار بڑے نپے تلے انداز میں ہے۔ البتہ اسمٰعیل کی جغرافیائی معلومات بے انتہا کم ہیں۔ جو بری طرح کھٹکتی ہیں۔ کیونکہ دہلی کے قرب و جوار میں کوئی ایسا دریا نہیں جو اسے کابل لے جائے۔ اور پھر شادی کرکے حاجی صاحب کا سات دن اور رات میں گھوڑوں پر سوار

ہو کر دہلی پہنچ جانا بھی محلِ نظر ہے۔

" گورجا کوچھل " تیسری ترتیب ہے جسے میواتی زبان کی اصل صورت میں ہی منقش کیا گیا ہے " جیسے کو تیسا کی " یہ بڑی عمدہ تمثیل ہے۔ کہانی زیادہ طویل نہیں تاہم اس میں تسلسل ہے۔ ٹھہراؤ کہیں نہیں۔ اختتام بھی منطقی انداز میں ہوا ہے پوری طرح چاق و چوبند اور تخلیقی ادب پارہ کا درجہ رکھتی ہے۔

" شاہ جمال " کو چوتھے نمبر پہ جگہ دی گئی ہے۔ یہ بھی ایک ستوادی بات ہے۔ اس میں شاہ جمال کا بادشاہی کو چھوڑ کر فقیری اختیار کرنا۔ طوطے اور مینا کی کارکردگی، ساہوکار زادی کی صحتِ عصمت کی گواہی کافور کی ڈبیا دے۔ بیتال پچیسی اور حکایات پنجاب کی کہانی " راجہ رسالو کے کارنامے " کا چربہ معلوم ہوتی ہے۔ یقینی امر ہے کہ اِدھر اُدھر کے بکھرے موتیوں کو چُن کر یہ مالا تیار ہوئی ہے۔

" مونجیا بالیسری " کی بات میوات کے لئے درآمد کی گئی ہے۔ جدائی کے مضمون کے وجہ ادب العالیہ میں شمار ہوتے ہیں۔ کہانی شاعر سے مناسب طریق پر نبھائی جا سکی۔ کہیں کہیں " مونجیا بالیسری " مولانا عبدالحلیم شررؔ کے ناولوں کا ہیرو معلوم ہوتا ہے جس کے مقابلے میں ایک اژدہام اور وہ سب پر غالب۔ اس کا بال تک بیکا نہ ہو۔ ٹوڈوں کی فوج بھی ایک نئی پلٹن ہے جو کسی اور ادب میں ابھی تک نظر نہیں پڑی۔

" خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں " ایک قطعی اَن پڑھ اور نوجوان میواتی شاعر کی تخلیق ہے۔ عرب و ہند کی تاریخ سے ناموران کی عظمت جتا کر موت کے ہاتھوں بے بسی دکھائی گئی ہے جس میں بے ثباتیِ عالم کا درس نمایاں ہے۔

" شیو سنگھ کی آپ بیتی " تخلیق کار نے کہانی کو رُوم سے شروع کیا جہاں " سلطان " ایک فرضی کردار ہی ہو سکتا ہے۔ پوری کہانی بڑے نپے تلے انداز میں بیانیہ صلاحیت آگے بڑھی ہے۔ دِل کش اور دردناک ہے۔ البتہ انسان اور دیو کا رشتہ ایک نئی بات نکلی

ہے۔ پشتو رائے بھی جغرافیائی حدود سے قطعی نابلد ہے۔ کالکرڈوہ کی ریاست کہاں اور روم کہاں ؟

سانگا کو مسلمان کرنے کی کوئی خاص وجہ ظاہر نہیں ہوتی اور نہ ہی اس سے کہانی میں جان پیدا ہو سکی ہے۔

" رُمسوک شہزادی " اس مجموعہ کی آخری کہانی ہے۔ کتھا سے رُمسوک ایک عامیانہ درجہ کی عورت تو ہو سکتی ہے۔ شہزادی نہیں۔ کہانی کا تانا بانا شاعر سے یطریق احسن نہ نبھایا جا سکا۔ البتہ میواتی رومانی شاعری اپنے پورے جوبن تم جیناکی نصیحت سُن کر رُمسوک کا واپس ہو جانا " تریاہٹ " کا اچھوتا انداز ہے

اس اجمالی نظر کے ڈالنے کے بعد یہ بھی کہدوں تو بے جانہ ہوگا۔ کو اس مقدمہ میں میواتی شاعری اور زبان کا احاطہ نہیں ہو سکا۔ اور نہ ہی کہانیوں کے سلسلہ میں معنوی مباحث کو چھیڑا جا سکا۔ اپنی آئندہ تصنیف " شعر المیوات " میں اٹھاؤں گا۔ میں اس مفصل مضمون کی ضرورت کے پیشِ نظر قلم " مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں " میواتی احباب سے میرا شکوہ ہے۔ میواتی زبان میں لکھنے کا واحد مقصد یہ ہے " شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات" کوئی منچلا اس میدان میں کُود پڑے۔ رد و قدح کی تحریری صورت دستیاب ہو جائے تاکہ ایک علاقائی زبان کی وسعت ہو اور اُردو ادب کی تاریخی تحقیق میں یہ سرمایہ اپنا تعلق ظاہر کر سکے۔ کیونکہ مرکزی اُردو بورڈ کی طرف سے پشتو، پنجابی، سندھی، بلوچی اور دیگر علاقائی زبانوں کو ترویج دے کر اُردو کے قریب تر لا کر لسانی یکجہتی پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

کچھ معنی صفحہ وار لکھے۔ اور پھر کتاب ہٰذا کے آخر میں مشکل الفاظ کے معنی کہانی وار درج کئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میری اس روش کی تقلید میں کوئی ہمدم میواتی زبان کی لُغت پر کام کر دے۔

آخر میں مجھے اُن احباب کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ جنہوں نے میواتی ادب پر کام کرنے

اور بالخصوص کتاب ہٰذا کی تکمیل میں میری معاونت کی۔

میواتی ادب پر کام کرنے کے لئے مجھے میوات کے جیالے اور نامور سپوت خورشید احمد خاں مرحوم "سالکرس والے" نے آمادہ کیا۔ خود تو ۳۰ اگست ۱۹۷۶ء کو انتہائی کرب ناک انداز میں ہمیں داغِ جدائی دے گئے۔ البتہ آج اُن کے خواب کی تکمیل "حکایات میوات" کی صورت میں پیش کر رہا ہوں۔ اس ہمدم دیرینہ کو خراجِ تحسین ادا کرنے کا یہی واحد طریق ہے۔ البتہ یہاں اس امر کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ مجھے اِس ادب سے براہِ راست وابستہ کرنے میں چوہدری شمس الدین (مرحوم) ریٹائرڈ ایڈیشنل اینڈ ڈسٹرکٹ سیشن جج کا ہاتھ ہے۔ ذہنی طور پر میں میواتی کے بے حد قریب تھا لیکن موصوف نے ہر ہر قدم پر میری راہنمائی کی۔ خود تو ۔ ا مئی ۱۹۷۶ء کو میواتی ادب میں "مہابھارت" تالیف کر کے اِس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ میرا رُواں رُواں چوہدری صاحب کا ممنون ہے۔ حشمت خاں دلاوری ایڈووکیٹ لاہور نے مجھے بُرے وقتوں میں میری مدد کی اور رانا عبدالغفار خاں ایڈووکیٹ (پاجیاں والے) لاہور جو میرے انتہائی قریبی معاون تھے۔ مجھ سے رُوٹھ کر داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ قدم قدم پر انہوں نے میرا ساتھ دیا۔ اور ہر آڑے وقت میرے کام آئے۔ ایاز احمد میواتی (بینوہ والے) نے مجھے میوات کا نقشہ فراہم کیا جسے اصل شکل چوہدری رحمت خاں مالب والے نے دی جسے کتاب ہٰذا میں شامل کر دیا گیا ہے۔
چوہدری عبدالغنی ایم۔ اے۔ گو میو نہیں البتہ انہیں میواتی سے اُنس ہے۔ اُردو اور میواتی کے تعلق پر انہوں نے میرا بھرپور ساتھ نبھایا ہے۔

زاہد حسین ڈاگون والے کوٹ رادھاکشن قصور۔ لیسن خاں باگھوڑوی، سردار خاں بدرپوری، نبی احمد خاں ایم۔ اے۔ بی ایڈ قصور، قیس چودھری، احمد علی خاں کوٹ لکھپت لاہور، محمد یوسف سدراوٹ والے، چوہدری دھولو، اور ارغسال کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے دامے، درمے، سخنے میرا ساتھ دیا۔ کچھ ایسے بھی حضرات سے ملنے کا اتفاق ہوا جنہوں نے "میواتی ادب پر کام کرو تم، اور سرمایہ فراہم کریں ہم" کا بھری محفلوں میں وعدہ کیا اور

جب وقت آیا تو کنی کترا گئے۔

مقامِ شکر ہے کہ اُن کی مالی معاونت کے بغیر اپنی ہی ہمت سے کام چلالیا۔ چوہدری محمد شفیع ایم۔ پی۔ اے (بینوہ والے) چوہدری عزیز الدین میواتی، راؤ مبارک شیر خاں کراچی نے مجھ سے قلمی تعاون کر کے میری ڈھارس بندھائی۔ بنی احمد خاں کا ایک دفعہ پھر شکریہ ادا کرنا فرض ہے کہ انہی کے تعاون سے کتاب ہٰذا کی اشاعت ہو سکی ہے۔

فہیم خاں میواتی
"المیوات"
رائیاں ضلع لاہور (پاکستان)
۳۰ اگست ۱۹۷۸ء

مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

جیسے میں سنے تعلیم حاصل کری ایسے ہی میرا اور بھتیرا بھائیں نے ای میدان سر کرد۔ اُپر جے ٹھنڈا دِل مُسّو غور کر کے دیکھاں تو تو پتہ چلے ہے کہ ہم کچھ کر نیا ناہاں۔ جگو بھی لکھاداں سیکڑوں نائے بلکہ ہزاروں ساتھی پڑھا لکھا دیکھا ہاں۔ لکھ بھی سکاں ہاں۔ جذبہ میں بھی دھت ہاں۔ اُپر عملی طور پہ اللہ جانے کیں جھجھک محسوس کراں ہاں۔ ادر کوئی یا گاڈھی ہیں جُت رَو ہے تو جُتو ہے۔ وے تماسائی بنا دور سو دیکھا ہاں۔ ہماری تہاری ای کرنی ہم کو بچے ہے خود ہی سوچو۔ ہماری زبان اتنا پڑھا لکھاں کے ہوتے ختم ہو جائے کہاں کی نیک نامی ہے۔

اپنے اوڑ پاس دیکھو۔ اُردو تو قومی زبان صحیح۔ علاقائی زبانین میں ایم۔ اے کی ڈگری ملن لگی۔ کیا ہماری ہی زبان نے ایسو کیو کریا کا، اپنا یا سو مُنہ موڑاں ہاں، بلوچی سندھی، پنجابی، پشتو تو بڑی زبان ہیں۔ بروہی، سرائیکی، ملتانی پہ دھڑا دھڑ کام ہو رہ‍ا ہے یا میں کائیں کی کمی ہے۔ کہا یا زبان ہیں نا ہے۔ جو ای دھتکاری جاری ہے۔ اد خدا کا بندہ او ہین آ کے ہم سو ہماری گھنگری روایت ایک ایک کر کے چھوٹ گی۔ جو بُری بات ہی اُن کو چھوڑنو تو لازم۔ ہم سو ہمارو لباس چھوٹ گو۔ کوئی بات نائے۔ اب ای زبان بھی چھوٹ جائے گی تو پھر تم ہیں کریدا کریدی سو بھی مل سکو گا۔ آسانی سو نائے۔ تہارا ڈھونڈنیا تم کو ہیلا دے دے کر تھک جاں گا۔ تم پیچے کھڑا سُنو گا۔ اُپر بول نہ سکو گا۔ تم ایک دوسرا کا مہیں آنکھ پھاڑ پھاڑ لکھاؤ گا، دیکھ نہ سکو گا۔

اب خود ہی فیصلہ کرد" ای ہونی تو رے گے ہے "

لسین با گھوڑوی یا" میں " ٹھیکیدار تو ہاں نائے کہ ہمیں یا کام اسے کراں۔

سردار خاں بدر پوری کیں نہ اُٹھے، نبی احمد خاں کھاؤ میں کائیں کو چُپ ہے۔ قیس

چوہدری کس کی بات دیکھ رہے ہے، رحمت خاں میواتی (لیل)، کیں نہ سوچے یٰسین خاں نیائی کس سوگھٹ ہے، پروفیسر عبدالرحمان میواتی، پروفیسر محمد یٰسین خاں، پروفیسر شہاب الدین اور پروفیسر شمس الدین ہمیں کدی کم لکھاؤں۔ عزیز الدین میواتی محمود آباد کراچی میں کیں ڈبکے ہے، پروفیسر صدر الدین صاحب حیدرآباد (سندھ) مشتاق احمد خاں صاحب کراچی ہمکوناں سبی اپنی زبان کی ہی خدمت کراں۔ سردارخاں ساکرس والا کا منہ ہمیں لکھاتے لکھاتے دن بیتراہاں۔ فجر خاں (پڑھانہ) پھول والے اور چوہدری فجر دین سے کوٹ لکھپت کو گیان ہمارے کچھ کام نہ آیو، رحمت خاں جاگو والہ، ہیڈ ماسٹر ہے۔ بھتیرو علم ہے۔ ہمکو کوئی کام نہ دے رو ہے۔ نور محمد (مجتن پورہ) کو ڈرا دھا کشن) مثل تو لکھے ہے۔ مجلس میں سُنا بھی دیوے ہے۔ بات بھی واکی سوادلی، اُپر کوئے نے۔ لکھنت سو چل کھاوے ہے۔ اور یٰسین خاں باگھوڑوی نے اپنی ہمت تو بڑھ کر کام دکھایو ہے اُن کو میں بھی پچھ لگو بن گو۔

چوہدری شمس الدین (مرحوم) ریٹائرڈ ایڈیشنل اینڈ ڈسٹرکٹ سیشن جج نے بھی مہابھارت، لکھ کے ہمارو حوصلو بڑھایو۔ راؤ امرت خاں (خوشاب) نے تاریخ میو ہی لکھی، کام تو کرو، سکندر سہراب نے بھی کام کرو اُپر انداز اور راکھو۔

اب تک ہماری عمر کا جتنا بھی دوستن نے کام کرو اُن میں شیر چودھری کی محنت گھنی سوادلی ہے کچھ دن تک کمال سالار پوری یا ڈگر پہ چلو۔ پھر سیاست میں چلو گو، واکی مرجی سرور میواتی (لباں والا) اچھو شاعر ہے۔ گیانی ہے نہ معلوم کیں ہم کو کام نہ دیئے ہے۔ چوہدری ظہور خاں گل پاڑیہ (شیخم) کے پیٹے بہت گیان ہے۔ نوں کہ گیانی باپ پنڈت نور محمد کو بیٹو ہے۔ ہندی بھی اُن پہ آدے ہے۔ اُپر پتو نائے کونسا جنجال میں گھرو ہویو ہے۔ لیکن میواتی پہ کام نہ کرے۔

میرے تو تم سو آج بھی کہرو ہوں اور جب تک جیو سرپہ ہیں ہے "کہتو ہی رہوں گو۔

مانتو اور نہ مانتو تہارو کام۔ سوچنو اور عمل کرنو تہارو فرض ہے۔ تم اِی سوچ ہو کہ زبان کا
چھُٹنا سو کہا ہوو ے ہے تو پھر بابائے اُردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی لکھی خطبات عبدالحق
اے ایک بَر ضرور پڑھو اور پھر پڑھ کے کچھ نہ کرو تو تم جیتیا میں ہارو۔

میری کہن تو اِی ہے کہ تہارو جی چاہے تو سب کچھ بھول جاؤ پَر اپنی زبان اے مت بھولو۔ جا قوم کے پَے کوئی زبان "نا ہے اُو ایسے ہی ہے جیسے مانَس کا بدن میں خون نہ ہوو ے۔ اور جا جسم میں خون ہی نائے ہوے تو وائے تو پرے ہی پھینک کے آواں ہاں۔

دِن بڑی تیزی سو بیت را ہاں۔ سَمے پلٹتے کدی دیر نہ لگے۔ سیاست میں تم نے کوئی نہ پوُچھے۔ تہاری، ہماری دولت مندی ہمارے سَبن کے سامنے ہے۔ کوئی ڈھکی چھُپی نائے۔ پہلاں کی میہر ہم پہ ای ہوئی کہ آج "بَن بَن کی لاکڑی" بنکے گھونسلا کا تنکان کے جو کوئی ہِن اور کوئی ہُون پڑا ہاں۔ قصور اور لاہور دو ضلع ایسا ہاں جہاں کدی کدی میوات کو رنگ دیکھ جاوے ہے۔ اِی بھی گھَنا دن تک چلنیا نا دیکھ رو ہے نئی پود تو بالکل ہی کچھ کی کچھ بن چلی۔

میری اِی بنتی ہے۔ اِی پکار ہے۔ اِی ہاتھ جوڑ کے بنتی ہے

فہیم خان میواتی

چند تعاون کنندگان

محمد یسین خان باگھوڑوی
"پرستار میوات"

امر خان شاعر میوات

زاہد حسین

سعید اقبال (پسر مؤلف)

اُودیس سُوآون والا بَتا

یہ نظم قیس چوہدری چاہر کلوت میئو نے مجھے فراہم کی ہے یہ انہی کی تخلیق ہے۔ قیس چوہدری نوجوان ہیں اور اعلیٰ تعلیم سے مزین۔ میواتی زبان اور شاعری سے انہیں لگاؤ ہی نہیں والہانہ عشق ہے۔ چودھری صاحب کا ذوق اس امر کا غماز ہے۔ کہ اگر ان کی خاطر خواہ دلجوئی ہوتی رہی تو میواتی زبان وادب کے لیے ان کی ذات ایک گرانقدر سرمایہ ہوگی۔۔

(مؤلف)

اُودیس سُوآون والا بَتا ۔۔۔ وا دیس کی کوئی بات سُنا

اُودیس جو مُو سُو چھوٹ گیو ۔۔۔ جا سوں ہر ناطو ٹوٹ گیو

اَیپر اُو دل میں اب بھی ہے

وا کی ہر شئے سو دل راچھے ہے

کچھ اپنی سُنا کچھ ہُوں کی سُنا ۔۔۔ اُودیس سو آون والا بَتا

کَہا اب بی ہُوں کا گدّھ والا رَٹ وائی کی تان سے اڈوال ہال ہے

کَہا اب بی چِکارا گونجا ہال ہے، کَہا اب بی چھیلا گاوال ہال ہے

کَہا اب بی گاؤں کا پَنگھٹ پہ مدماتی گوری چھکال ہال ہے

کَہا اب بی گیلواَن کے مُٹے چندنے ہانستی ہیکال ہال ہے

سے ۔ آنے والے ۔ اُس ۔ وہ ۔ مجھ سے ۔ گیا ۔ رشتہ، تعلق ۔ لیکن ۔ وہاں ۔ کیا ۔ گاؤں والے ۔ لمبی لے کا گانا ۔ باجے کی ایک قسم ۔ البیلے نوجوان ۔ نوجوان ۔ مسافر ۔ ہنسی

کہاں اب بے ہریلے باغن میں وے گوارن جو اپنے جھولاں ہال
کہاں اب بے ساون آوے ہے، کہاں اب بے کیکر پھولاں ہال

کہاں اب بی رات گئے تک ہوں گونجاہاں گیت پہاڑن میں
کہاں اب بی بھوت چڑیل پھراہاں جنگل اور اجھاڑن میں

کہاں اب بے سارس کوکاں ہاں، کہاں اب بے پپیہا بولاں ہاں
کہاں اب بے لمبا جنگل میں وے ڈار ہرن کی ڈولاں ہال
کہاں اب بی سنگھ دھاڑاں ہاں، کہاں اب بے ہاتھی جھوماں ہال
کہاں اب بے پنچھی اُڑ اُڑ کے منہ نیلے گگن کو چوماں ہال
کہاں اب بے بوڑھی ٹھیری وے چڑیا کی بات سناواں ہال
کہاں اب بے سنگی ساتھی ہوں ویلے ہی ساتھ نبھاواں ہال
کہاں اب بے چاکی کی وے پر وے گاؤں کی گوری گاواں ہال
کہاں اب بے بیدوی اٹھ اٹھ کے وے پانی لیون جاواں ہال
کہاں اب بے ہالی متوالا وے رسیا دوہا گاواں ہال
کہاں اب بے گوری البیلی وے میلا لے کے آواں ہال
کہاں اب بے دادا چوکھا پے وے میئو چڑھاوا لاواں ہال
دھمالے کراں ہاں مستانہ اور کھیسے علیدو کھاواں ہال

ہرے۔ باغ کی جمع۔ کنواری۔ پھولتے ہیں۔ شیر۔ پھرتی ہیں۔ اڑ اڑ کر۔ چنگھاڑتے ہیں۔ چکّی۔ بڑی بوڑھی۔ چھوٹے بچوں کے لئے مشہور و معروف کہانی۔ صبح سویرے۔ لانے کے لئے۔ ہل چلانے والے۔ میواتی شاعری کی صنفیں، گاتے ہیں۔ بیلوں کے لئے چارہ۔ میوات کے مشہور و معروف بزرگ۔

کہا رات گئے ویرانے میں ہوں اب بی ہتّا[1] بو آوے ہے

کہا اب جب اُن نے مُلّا جی پڑھ کے آیات بھگاوے ہے

کہا اب بی ماہِ محرم میں وے گورے جھنڈا[2] دیوا ں ہاں

کہا اب بی تا جیا نکلاں ہاں کہا اب بی ماتم ہووا ں ہاں

کہا اب بی چھوچھک[3] آواں ہاں کہا اب بی ماندھا[4] ہووا ں ہاں

کہا اب بی گلا سو لگ کے وے جاتی[5] نوشے روواں ہاں

کہا اب بی بھائی بھتیجا ہوں تیہر[6] کو چھوری لاواں ہاں

کہا اب بی کھیل ٹٹاں ہاں ہوں کہا اب بی کھورا[7] کھاواں ہاں

اب او جھوجا دے تو واڈی[8] سنڈیں میں رو تیوچا[9] یو

دا دیس کا اِک اِک ہاتھی[10] سُواِی بات میوی کہتو آیو

تم جیا تا تم جیا ہو تم پر لے تک ویسا دھیو

تہذیب کا پاپی دھارا میں او بھوکا مانجھ مت بہیو

تم اپنی ریت نبھا لو دے تم اپنے لوبی مت تجیو

جو اپنا آپ سو بھُکا دے تم ایسو بالو[11] مت سجیو

اللہ رے اُو تہذیب میری کہ تو تہذیبوں پہ بھاری ہے

او چھل[12] کپٹ کی بیرن ہے اور سانچ کی پالن ہاری ہے

کوئی آنکھ نہ ہوں کی میلی ہے کوئی لاج نہ گھر سو بھاگے ہے

کوئی ماں اولاد نہ بیچے ہے، کوئی تریا لوگ نہ تیاگے[13] ہے !

---

[1] رات کے وقت ایک سفید پوش بزرگ جن کے ساتھ کافی نیک لوگ ہوتے ہیں۔ آگے آگے سقہ چھڑکاؤ کرتا ہے اور مشعل بردار آدمی ساتھ ہوتا ہے جو کوئی ان کے سامنے آجائے فوراً ہی مرجاتا ہے۔ [2] ماہ محرم میں جوان لڑکیوں کا ایک مخصوص طریق پر سلام کرنا۔ [3] لڑکے کی پیدائش پر ننھیال کی طرف سے ایک رسم [4] جماعت کی ایک روایت۔ [5] شادی کے ایک دو روز پہلے جلدی کو کھانا کھلوانا [6] دلہن [7] بچے پیدا ہونے [8] لڑکی

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

نہ جھگڑا دھرتی کے بیچ ہا، نہ لیڈر قوم کے لوٹے ہا!!
نہ خون کے خون سو نفرت ہی نہ رشتہ ناطہ ٹوٹے ہا
نہ کورٹ کچہری ہووے ہی نہ جھگڑا جھانٹا ہووے ہا
نہ خون خرابہ ہووے ہو نہ من کا پھانٹا ہووے ہا
نہ سرخی پوڈر پالش ہے نہ گوری نے روپ بگاڑے ہی
نہ تھیٹر ہی نہ فیشن ہا، نہ بیگم لوگ بے گھاڑتے ہی
نہ عشق محبت کا جھوٹا یہ بندھن باندھا جاوے ہا
ہوں غیرت عزت باقی ہے ہوں کنیا بیچ نہ کھاوے ہا
پریت بڑا کی ہووے ہے چھوٹا کو مہر دکھاوے ہا
ہوں چوہدری گھر گھر میں ناپاک چودھر پر مر جاوے ہا
ہوں نیلے دھرم کا ڈیرا ہا نہ لوجہ ہو نہ انیائے کہیں
ہر بیچ میں ہوں پرمیشر ہو اور حق کے سوا کوئی بات نہیں
گر اونچ نیچ کا بندھن ہا پر شکھیا من کی مینا ہی
ہر بیٹی گاؤں کی بیٹی ہے، ہر بھینا سب کی بھینا ہی
وے قسمت کت کو ہوا ہو یا وے دن کس دیس گیا واڑے
اب چھل کپٹ کی ریتا ہے وے دن تو خواب بھیا واڑے
او دیس سو آون والا جایا رنگ میں مست رنگ جب یو تو
جو رنگ ہو تو گو ورثہ میں وا رنگ ہے بس اپنا یو تو!

(بقیہ از صفحہ گزشتہ) شہ مجھے بچے کی یاجوار کے دانے شہ آٹے کا بنا ہوا تیل میں تلا گوبر نما ایک مٹھائی جو خاص مسئلہ سے بیچا کرتی ہے
شہ پھر شہ دعوت شہ پیدا شہ یتہ جاتا شہ لینے والی شہ تھے شہ بابا شہ دھوکا فریب شہ ترک کرتی تھی شہ چھوڑتی تھی۔
شہ بیکار عیاش شہ منہ سیاہ کرنا میں کپڑوں کی پکڑ نکالتا شہ تھی شہ تنگ کرتی تھی شہ وہاں سموچیتوں کو فروخت ذکرتے تھے شہ عزت
شہ محبت شہ انصاف شہ ایمان شہ لالچ شہ بے انصافی شہ بہن شہ وقت شہ کدھر شہ دھوکا فریب شہ رات۔

حاجی قاسم کی بات

سائیں تو سُو مینتی میں سُمرت ہوں تورے ...... ہر دو کھول اندھیر سُو جا سُو میری منشا پوری ہوئے
منشا پوری ہوئے حُکم میں تو سُو پاؤں ...... تو سو بھی اپرنت دو سرد کے مناؤں

کھیڑو گاؤں جلال پور سر پہ رب کو ہاتھ
گیان دیو اللہ نے کہوں ایک حاجی نر کی بات

دہلی شہر کے کچھ مالدار، نیک دل، رئیس حج پر جانے کی تیاری کر رہے تھے
ایک نو عمر سیّد زادہ نے اُن سے التجا کی ۔

تم دلی کا سیٹھ عرض اک سنو ہماری ...... تم کو سائیں نے دینو مال حج کی کری تیاری
مگ اک مو پہ کرو احسان سنگ لے چلو ہمن کو ...... میری بھی ہو جائے حج اجر جب ملے تمن کو
میں اک لڑکو مہا غریب ہوں اپنا رب ہو دھیان دھروں
خرچو مو کو دیجئے جا سُو میں کعبے حج کروں !

لڑکے کی نوعمری اور ارادہ نیک ۔ انہوں نے صلاح، مشورہ کرکے ۔
جو لڑکا نے کہی بات اُن کے مَن مانی ...... سیٹھن نے بتلا بھری خرچہ کی حامی !
جو لڑکا نے کہی اچھی پیاری لاگی بات ...... ہم جب جاویں حج کو تب یہ بیر چلیگا ساتھ
حج پر روانہ ہوئے ۔ سیّد زادہ بھی ساتھ لے لیا ۔ اور خرچ بھی اُس کو دے دیا ۔
حاجی ہوں سو چلا سنگ میں لڑکو لینو ! ...... جتنو اُن پہ خرچ وہی لڑکا کو دینو !
بارے دُون اجباڑ سمندر کے نیڑے آیا ...... اُن کو ہو یو عصر کو وقت جبھی بگہ ٹھہرایا
استنجا حاجت ہوئی بدنا لینا ہاتھ ...... سنو سبھا پرمیشری کہوں اک گن چرچا کی بات

([illegible])

دریا کے کنارے بیٹھکر وضو کرنے لگا۔ ایک نہایت عمدہ سیب بہتا ہوا آیا۔ اور اُس نے پکڑ کر کھایا۔ معاً خیال آیا۔ مال پرایا۔ بغیر اجازت کھایا۔ حج میں خلل واقع ہو۔ اس بارے میں شرعی احکامات ساتھیوں سے دریافت کئے ؎

سمند کنارے بیٹھ نیر میں ہاتھ چلایو ...... ایک بڑو انوکھو سیب سمند میں بہہ کے آیو
میں نے سو نو دیکھو ہاتھ سو پکڑ اٹھایو ...... مو ہے واکی لجت لگی ملوک پیٹ بھر میں نے کھایو

میں لڑکا نادان ہو اب پوچھت ہوں تو سے
کیسے لکھی حدیث میں سچ بتاؤ مو سے

شریعت کے پابند ساتھیوں نے حدیث کے حوالے سے بتایا ؎

یہ حجرت کا قول جھوٹ اِن کو مت جانو ...... فرمائی حدیث مال مت تکو برانو
اب تو جایو وائی دیس کو جہاں سو پھل بہہ کے آیو ...... تیری حج پوری جب ہوئے گی پھل کو معاف کرالاؤ

اپنے ساتھیوں سے اجازت لے ؎

ہوں سو لڑکو چلو، ہو یو سمند کی دھار ...... کوئی دنا کا بیچ میں پہنچ گو واہی باغ میں جار

مالی سے ملا اور اپنے آنے کی وجہ بتائی ؎

سن مالی میری بات دھیان دھر کے سن لیجے ...... تیرو پھل لینو ہے کھائے معاف موکو کر دیجے
میں جارو ہو حج کو مو سو اُدھیر خطا بنی ...... معاف ہم کو کیجئے، مولا برکت کرے گو گھنی

مالی اُس نوعمر کی ایمانداری سے بہت متاثر ہوا۔ لیکن وہ تو مالی تھا بادشاہ کے باغ کا۔ سید زادہ کو بتایا ؎

ہم نوکر سرکار کا کھری نوکری لئیں ...... چلو جا بادشاہ پہ تو کو پھل معاف کر دیں

ایمان کی دولت سے مالا مال یہ مسافر وہاں پہنچا اور بادشاہ سے گذارش کی ؎

تیرو سمند کنارے باغ بہت سا پود اسینچے ...... تیرو پھل لینو ہے کھائے معاف ہم کو کر دیجے

(صفحہ ۳۳ سے) لہ التجا۔ لہ حلق کے علاوہ کے احسان لہ بہت کم لہ لیے لہ دل کو بھلی لہ نزدیک لہ لوٹا لہ بھل بیک لہ
لہ دریا لہ لذت لہ پوا یا لہ اُسی لہ درمیان ہی۔ پھلے ہی۔

پھل ٹوٹو ہوڈال سوئے گو سمند بہاتے ...... میری عمر پوری جب ہوئیگی ای خطا معاف ہو جائے

بادشاہ بھی محو حیرت کہ اس نو عمری میں ایسا جذبۂ ایمان ۔ لیکن چونکہ باغ رانی کی ملکیت تھا

اُسے حق مہر کے عوض مل چکا تھا ۔ اس لیے بادشاہ نے رانی کی طرف یہ کہہ کر بھیج

دیا ؎

بے شک کنارے باغ ہے یا ہیں نا ہے جھوٹ ...... میں نے بدلے بخشو مہر کے اب رانی سے جاکر پوچھ

لڑکا رانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور التجا کی ؎

میری سنیو ماتا بات تنگ میں توپے آیو ...... تیرو سمند کنارے باغ سیو پھل واکو کھایو

میں جاوے ہو رحم کو اُدھیر آیو لوٹ ...... میری عمر پوری جب ہوئیگی ماتا معاف کرا گی کھوٹ

رانی نے لڑکے کا سر تا پا جائزہ لیا ۔ اس کی نو عمری اور پھر دولت ایمان سے

سرشاری سے بہت متاثر ہوئی اور اپنی باندی سے کہنے لگی ؎

دھنے یا کی مائے پتر جو ایسے جنمے ...... میرو بنے اشتاد سہاگی میرا من میں

میری کنواری کنیا محل میں جے یا سے کرے مجبور ...... بے شک ای بنا میں پھیر یا کا مکھ پہ برسے نور

باندی جہاں دیدہ، ایک حقیقت کی طرف توجہ دلا کر بولی ؎

جوڑی ڈھونڈا سو بھی نہ ملے جے جگ ڈھونڈے کوئے ...... ٹھاڈا کو اور غریب کو رانی سمبندھ کیسے ہوئے

غریب اور امیر کی ناطہ داری بے جوڑ ہی سہی ۔ لیکن سندی کا تقاضا یہ بھی ہے ۔

رانی بولی ؎

چتر آدمی ہوئے دیے بیٹی نر سا کو ...... واکی سنگے آدر ہوئے مان تورا کے سا سو

واکی پاڑوسن لوگ کہاں کہا پی ہمر سو لائی ...... واکو تھوڑو دیدیئے واں سال جب کرے بڑھائی

یہ چتر ن کا کام ہاں بیٹی جے نر سا کو دیئے

بیٹی ہیں گن مو آں تو پی اپنو کر لیے !!

---

[1] خدا [2] سیب [3] نیک بخت [4] داماد [5] غریب [6] ہر جگہ [7] عزت [8] ساس [9] کہیں [10] حمیں [11] میواتی زبان

ج عورت ہی مستعمل ہے۔

اتنی بات چیت کے بعد رانی سیّدزادہ سے مخاطب ہوئی ۔ اور پھل بخشنے سے معذوری کا یوں اظہار کیا ۔

بیٹا کیسے بخشوں سیب ہاتھ سَر پہ رکھ دینو ...... میری لڑکی کو ہے باغ واں میں واکو دینو!
شہر باہر محل ہاں جایو واکے پییئے ...... دیا بندہ ہے ڈاوُری[1] پھل اے معاف کر دے

سیّدزادہ چارو ناچار شہزادی کے محلات میں پہنچا ۔ جاکر دیکھا کہ وہ نیک سیرت، تلاوت کر رہی ہے ۔ لڑکے نے عرض گذاری ۔

محل پڑھے ہی قرآن جار فریاد لگائی ...... تیرو پھل لینو ہے کھائے معاف کر دیجو بائی
میں جاوے ہو حج کو اُدھیرا کو لوٹ ...... میری حج پوری جب ہوئیگی باقی معاف کرا گی کھوٹ

شہزادی نے پریشان حال نو وارد کو دیکھا ۔ اُس کی نیک خوئی سے بہت متاثر ہوئی ۔ حسین تو تھا ہی، شہزادی کے جگر میں تیر محبت پیوست ہو گیا ۔ سیب بخشنے کے لئے یہ قید لگائی ۔

سُن سیّد کے کنور عرض میری سُن لیجے ...... تو کو معاف کروں ہے سیب شرع میں مو کو لیجے
کر پا موپہ کیجیے تو یہ تن مَن وار دل جیو ...... سات گھنٹہ نو دیپ مُو سب بے جلا دیو ہا پییو !

سیب کے معاف ہو جانے پر سیّدزادہ بہت خوش ہوا ۔ البتہ شہزادی کی پیشکش پر اُس نے اپنی مجبوری کا یوں اظہار کیا ۔

میرے مال خجانہ ہاں نہیں نا ہی محل ہے مکان ...... میں لڑکو مہا غریب ہوں تو سُو سچّا کروں بیان

اس مجبوری کو سُن کر شہزادی جھلّا گئی اور کہنے لگی ۔

جلیو محل مکان جلاں تو مال خجانے ...... جن کا دُرس ایمان ملنگا بہشت ٹھکانے
بے شک تو لڑکو مہا غریب شیرا دیکھا دُرس ایمان ...... مال خجانہ جگت کا سب دُھول سمان

شہزادی کے بے حد اصرار پر لڑکے نے کہا ۔

---

[1] دھتدل نہ بیٹی ۔ لڑکی کی طرح

تیرو پتا ملک کو بادشاہ واکو جا کے پوچھ .... اپنی ماتا کو راجی کرو جا کے پاؤں پسار اکو کہ

شہزادی نے لڑکے کی رضامندی سُن کر اپنی ایک رازدار کو رانی کے پاس بھیجا جس نے اُس کی شادی کے سلسلہ میں رانی سے تذکرہ کیا اور جتایا سے

جا کے لڑکی بیاہی ہوئے نیند وا ہے کیسے آوے .... جاکی کایا دُکھیا ہوئے تائے واہے بھوجن بھاوے

جا ہے لگے برہ کی بھوک کون واکی بھوک مٹاوے

بادل سو بجھائے بجلی مینہ کی سو بھا گھور .... پی کی سو بھا استری جیسے یا غن سو بھا مور

ابھی ان کے مابین یہی بات چیت ہو رہی تھی کہ شہزادی بھی جا پہنچی، اور اپنی ماں سے لپٹ کر کہنے لگی سے

جتنی سا تھن سا تھ کی سبھی ساسرے جاں .... اب تک ماتا بیاہ کو چِنتا ہما سو ناں

ماں بولی سے

بار بار تو سو کہی تو ٹاٹ گئی دو ٹوک .... کہا خواب تو کو بھیّو جا سو تجھے لگی برہ کی بھوک

تو شہزادی نے دل کی بات کہہ دی سے

بار بار جیتے کہی مو کو من کو ٹوٹن پیتو .... رب نے بھیجے ساجنو میرو وا میں رل گو ہے جیو

شہزادی نے جب اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تو رانی بادشاہ سے ملی اور اُسے حقیقتِ حال سے آگاہ کیا سے

ایک سید کو کنور شہر دلی سو آیو .... واکو دیکھو روپ سروپ جیسی محلن ٹھہرایو

تیرو سُنہ کن رے باغ سیب پھل واکو کھایو .... اپنا رب سو ایسو ڈرو آن کے معاف کرایو

اُو لڑ کو مہا غریب ہے، واکو دیکھو دُرس ایمان

وا پہ تیری لڑکی عاشق ہو گئی تو سو سچا کروں بیان

بادشاہ اور رانی کی آپس میں فیصلہ کُن گفتگو ہو گئی۔ رشتہ دینے کے لیے اُن کا ارادہ بن گیا۔ لڑکے کی ایمانداری سے وہ بہت مسرور ہوا اور رانی سے کہا سے

(تمام حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اُن کو کہا غریب پیت جو رَب سُو جوڑاں .... وے ناہاں دشمنت بیٹھ جو رَب سُو توڑاں
اُن کو کہا غریب ہے جو پیت کراں اللہ .... ہم بھی بیٹی وا ای کو دیگاں رانی میری ہی صلاح

بادشاہ نے اپنے اُمرا اور وزرا کو بلا کر مشورہ کیا ؎

آؤ خان وجیر پوچھ لیئو میرا من کی .... آؤ خان، اُمراؤ بھاؤ چند ن چوکی
آؤ خان وجیر جی مت اجی لیئو بُلائے .... اِی لڑکو ہمیں منجور ہے بالکی تم دیوؤ دُعا پڑھائے

امرا اور وزرا سے صلاح مشورہ کے بعد شادی کر دی گئی ۔ شہزادی کو وداع

کرنے کا وقت ہوا تو ؎

دِینا نیلم اور نکھراج دیا ہیرا اور موتی .... یہی جگت کی ریت چلاں سب بیٹی روتی
بیٹی مُردو جب چلے بابا پہ اچھوتے لباس .... دان پُن دیئو گھنو پھر بھی رو چ پڑو رُنواس

ماں نے بیٹی کو گلے لگا کر دُعا دی اور پھر کہنے لگی ؎

جاری بیٹی چلی جا یا سیّد کا کے ساتھ .... یاد خُدا کو راکھیو تیرے ای ہیرا پڑگو ہاتھ

شہزادی سب سے ملنے جُلنے کے بعد اپنے باپ سے مخاطب ہو کر بولی ؎

چِتا وان پُن یا جگت میں سبھی دیا ہاں سوئے .... دُعا دیر بیٹی چلی پِتا تو کو ویس مبارک ہوئے

دونوں وہاں سے روانہ ہوئے ؎

لڑکا لڑکی چل دیئے ہو گھوڑے اسوار .... سات دِنا کا بیچ میں پہنچے دِلّی شہر مَن جار

سیّد زادہ واپس اپنے گھر پہنچا ۔ ماں باپ تو زندہ نہ تھے ۔ چھوٹا بھائی ہی تھا
بیوی کو چھوٹے بھائی کی سپرداری میں کر کے وہ پھر حج پر جانے کے لئے تیار ہو گیا
بھائی سے کہنے لگا ؎

میری ماں کا جایا بیر کراں کہا تدبیر .... ای لڑکی بادشاہ کی یا کو دیجو مت تکلیف

بڑا بھائی جتنا عقل مند تھا ۔ چھوٹا اتنا ہی بے وقوف ۔ بھائی کے چلے جانے

(صفحہ پیوستہ) لہ حسن خوبصورتی لہ صورت، بیوی لہ سسرال کہ ذکر شہ انکار کر گئی لہ دکھائی دیا کہ بلا کھیں شہ محبوب خاوند
لہ خاوند) لہ دونا لہ ذنا نہ محل ۔

کے بعد اُس نے بھاوج کو ایک عجیب کام سونپ دیا۔ کچھ چاول اور دال ملاکر دے دیتا۔ شہزادی بیٹھی بیٹھی اُنہیں الگ کرتی۔ اِس سے مقصد اُس بے وقوف کا یہ تھا کہ یہ کام میں ہی لگی رہے اور کسی سے دل نہ لگا بیٹھے۔ ایک دِن شہزادی کو غسل کرنا پڑا۔ اور چاول دال چھانٹے بغیر رہ گئے۔ دَیور نے اِسے بھابی کی بدچلنی تصور کرلیا اور کہنے لگا سے

سُن چرچنڈی نار کہا تیںنے چرِتر چاِیو .... تو ہے شرم آئی نائے غیر سو اَنگ بھٹایو
تُو نِت کی چاول چھانتی تیرو دیکھو دھرم ایمان .... آج اِی فرق پڑ دھے نیت میں جاسو چھٹنارہ گا دھان

بھاوج نے اپنی صفائی پیش تو کی لیکن بھینس کے آگے بین بجانا تھا سے

سُن رڈکا میری بات پاپ مت دیا ہمن کو .... میں نے سِر کا دھویا بال غسل تو دینو بدن کو
میں نے تن کا دھویا کاپڑا سِر کا دھویا بال .... غسل آتاری انگ کی جاسو چھٹنارہ گا چاول دال

لیکن وہ پاپی اپنی ہی ضد پہ اَڑا رہا اور بھاوج کو گھر سے باہر نکال، اجاڑ جنگل میں چھوڑنے چل پڑا۔ وہ بے چاری بہتیری چیخی چلائی لیکن اُس ظالم کو رحم نہ آنا تھا نہ آیا سے

سُن بید کے کنور خطا کچھ نا ہے میری .... میری معاف کرو تقصیر اُنت کو بھاوج تیری
اُلٹو رے چل ساتھ گھر پہ سیس اُڑایو .... بارے دُون اُجاڑ موئے تو مت ترسایو
میں اَبھتی اَگت گائے ہوں میری معاف کرو تقصیر
گھر میں اِتنے راکھ لے جج سو بگڑے تیرو بیر

لیکن وہ مردُود اپنی ضِد پر ہی رہا۔ اور شہزادی کی بات کو اَن سُنی کر کے کہنے لگا سے

تیںنے داغ لگایو بنس کو گھر ہرگز راکھوں نائے .... تیرا چار وگیلا سو کھلا تیرو دل چاہے جِت جائے

رہا سوال بھائی کی شادی کا سے

بٹی بیاہوں گو جات کی جج سو بگڑے میرو بیر .... مو کو قسم سُبحان کی بجے میں تیری معاف کروں تقصیر

---

١ مکار عورت ٢ موت ٣ لاچار، مجبور ٤ خاندان ٥ راستہ ٦ کھو ٧ جدھر ٨ اچھی قوم کی (ذات کی) ٩ آگ

مجبور و لاچار، حیران و پریشان، اُجاڑ جنگل، اُس نے اپنے خاوند کو یاد کیا ؎

ہرنی بچھڑے ڈار سوا پنا رو رو نین بلوئے ...... بنجارو کی پور جو تو چھوڑ گیو سُلگتی موئے

پھر ماں باپ اور گھر بار یاد آئے ؎

وے دن کِت کو گئے باغ میں گڑا ہنڈولا ...... میرے کرم لکھا کی ریکھ پڑا پاؤن میں چھالا

سمے جلے ہی جوت ملے نہ چندہ اجالا ...... پھولن سو دے ہی سکھ ملے نہیں گھاس بچھونا

مات پتا کت کو گئے، کت کے ستید جا دہ پیٹو

بارے دون اُجاڑ میں میرو گھابل ہوگو ہے جیئو

اور پھر اُس نگر کو الوداعی کلمات کہے۔ جہاں چند دن بسر کرلئے تھے ؎

سُو بس بنیو کنور جی سو بس بسیو شہر تمام ...... میرو جب جگ سو بگدے سائیو واسو کہیو دعا سلام

اب اُس کی نہ کوئی منزل تھی، اور نہ ٹھکانا۔ اُس کے لئے تو یہ سارا اجنبی علاقہ تھا

اندھیری رات اور جنگل بیابان، تاہم اللہ توکل چلتی رہی۔

لڑکی ہوئی سو چل پڑی رو رو بہاوت نیر ...... گھر بگدو سے کنور جی یا کو کوڑھی ہویو شریر

اُدھر جب اس نیک سیرت بھابی کو جنگل میں چھوڑ کر گھر پہنچا تو ؎

خدا کی قدرت۔ اُس پاپی کے جسم سے کوڑھ جاری ہو گئی۔ اُسے اپنی حماقت کا احساس تو ہو گیا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔

اُدھر وہ بدقسمت چلتے چلتے تھک گئی۔ لیکن جنگل ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا اور بدقسمتی اس کا ابھی پیچھا کر رہی تھی۔ اِسی مہیب اور ڈراؤنے جنگل میں اُسے چار چور مل گئے ؎

دُور شہر سو چار چور، چوری کو دھائے[۲] ...... بارے دُون اجاڑ ایک تریا[۳] مل جائے

چوروں نے اُسے گھیر لیا اور ؎

---

[۱] اس جیں سے [۲] وہاں [۳] جسم سے آئے [۴] عورت۔

ٹھاڈا ہو کے گیل میں یا سُو پوچھن لگ گئے بات …… ہم کو سچ بتائے دے کیسے ڈولا تو ہمت آدھی رات

تو مظلوم شہزادی نے انہیں بتایا ؎

میں بیٹی کابل شہر کی دِلّی میں بیاہی …… دیور مو کو تاڑ گو میں اپنی بپتا میں آئی

چوروں کو اُس کی بپتا سے کیا؟ انہوں نے زیور اور لباس دیکھا تو یک زبان ہو بولے ؎

خوشی ہویا سب چور جبھی تلوار دِکھائی …… جے تو کُو پیارو جیو کھول دے جیور بائی

نت کی چوری کرت ہاں لوٹاں شہر بجار …… جے تو کُو پیارو جیو ہے، جیور دیا نے اتار

شہزادی نے ہاتھ جوڑ کر مزید منت سماجت کی اور زیور اتار دیا ؎

میرا سُن یو چو رُخ بیر جیئو سو موہے مت مارو …… کانن کُنڈل لیئو کام ای سر سے تمارو

پائل کیڑو تاڈا ایں تم آپ اُتارو …… موتی جُڑا اچھا ں ہار تم لیئو ہمارو

گل کی ہنسلی دے دئی سارو جیو دیئو اُتار

جے پیٹ تمارو نہ بھرے موہے جی سُو گیرو مار

لیکن ظالموں کو ترس نہ آیا۔ اُس کی منت سماجت پر کوئی کان نہ دھرا۔ دیکھا کہ ابھی تو شاہانہ لباس اور زری کی جوتیاں بھی ہیں۔ انہیں بھی اُتارنے کو کہا ؎

جوتی دئی اُتار پکڑ کر کیسے ڈر دینو …… سر کو دینو چیر بدن کو کُرتہ دینو

اب اُس کے پاس صرف ایک لہنگا باقی تھا۔ اُسی کو رہنے دیا جائے۔ اُس نے گڑگڑا کر التجا کی۔ اور پھر واسطہ ایسا دیا کہ سنگ دل سے سنگ دل موم ہو جاتا۔ نہ معلوم یہ مکّار کس مٹی سے بنے تھے ؎

میرا سُنیو چو رُخ بیر کرو لہنگا پہ ٹالو …… کیسے چالونگی گیل ہوئے جب بھانگ اُجالو

میں اٹھتیا گت گائے ہوں دیا کرو رے چور …… ماں جائی سی جان کے ہنگو دیو دوان میں چھوڑ

لہ طاقتور ےہ لگ گئے ۳ ے وقت کہ نکال باہر کر گیا شہ ذبجہ تہ کانوں کہ جھکے ےہ ہوا ہو شہ عام

اُنکو ترس نہ آنا تھا۔ نہ آیا بلکہ عجب بے ہودگی کا مظاہرہ کیا ؎

بھینا مُسے ہی ہونگی جو جنماں ماں کی کوکھ .... کیں توڑ دُن کرا باباؤ! تو یہ مہماں کر ساسُو

صحیح کہاوت ہے ؎

کرّد۔ قصائی، تو بچی اور مینڈرسی مائے .... شوم، چور، جلّاد کے رہنے دیا دھری پہ نائے

اُس نے مجبور ہو کے لہنگا بھی اُتار اُن ظالموں کے حوالے کیا۔ مادر زاد برہنہ تھی۔

رات کی تاریکی میں وہ آگے چلتی رہی۔ یہ چاروں مکّار جب اپنے اپنے گھر واپس پہنچے

تو اُن کے جسموں سے بھی کوڑھ جاری تھی ؎

لڑکی ہوں سو چل دئی آنکھ بہادت نیر ...... گھر بگدا یاں چو جب اُن کو کوڑھی ہو بو سر پر

شہزادی رات کی تاریکی میں ڈرتی ڈرتی چلی جا رہی تھی ؎

بندا کرے سوچ بچار بہت سب ایسی جو ہے ...... بیا میں سب دشمن ہو جائیں کوئی نہ اپنو ہو سے

بارہ دُون اُجاڑ چلی جنگل میں جا ہے ...... یا سو جھبو کراں کلول دیکھ ننگی ہے بالہے

سمت کو اور پیت کو دیکھو گاڑھی بنبے

ہی اِی پھول تلنتا کامنی ننگی کرے بکٹ کا بیر

آدھی رات کا سمے۔ کُتّے کا بھونکنا سُنا ؎

آدھی رات نکھنڈ پہ کو ھکر للکار .... بارے دُون اُجاڑ میں مل گو یاہے نکھی بنجارو

ابھی یہ کچھ فاصلے پر ہی تھی کہ بنجارہ نے اُس سے پُوچھا ؎

کہ کوئی بھوت بلائے یا کہ کوئی منکھ دیہ ...... آدھی رات نکھنڈ پہ مو کو کون دِکھائی دیے

شہزادی اپنے ستر کو چھپانے کی کوشش میں ایک درخت کی اوٹ لے کر

کھڑی ہو گئی اور جواب دیا ؎

نا میں بھوت بلائے ہوں نا ہوں منکھا دیہ ...... میں ننگی پھروں اجاڑ میں کیسے آؤں بیئے

[illegible]

بنجارہ حقیقت حال سے باخبر ہوا تو اپنی بیوی کو جگایا اور اُس لڑکی کے پاس بھیجا ؎

اُٹھ بنجاری بھُوپ ایک عورت سی بوے ...... ای آگے کو نہ ڈھے کھڑی درخت کے اوٹلے
پہرن کو دے جا کا پڑا یا کو پاڈر لاؤ تول ...... جے ای دغا کرے ہے ہمن سو دوں یا گولی سو بچو

بنجاری لباس لے کر وہاں پہنچی ۔ لڑکی نے کپڑے پہنے اور بنجارہ کے ڈیرہ کی طرف آ گئی ؎

پاس لئی بٹھائے کہے یا سُو بنجارو ...... کون تہارو وطن کون ہے پتا تہارو
کون تہارو دو دھ ہے تیرو کون بنو بھرتار ...... لڑکی بادشاہ کی تیرا تیارلے یاں آ ستار

شہزادی نے اپنی دکھ بھری داستان اوّل تا آخر کہہ سنائی ۔ اور دیور کی کرتوت پر اُس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے ؎

لکھا چھٹی کا اُلگھڑ گا نا کانی کو دوس ...... شہر باہر کر گیو میرو دیور ہو گو ہوں روس

بنجارہ رحمدل تھا ۔ بے حد دولت مند، لیکن کوئی اولاد نہ تھی ۔ اُس کے ڈیرے میں قدرت نے ہر چیز دی تھی ۔ لیکن اولاد نہ ہونے کے سبب بے چین رہتا تھا ۔ ایک بھتیجے کو ساتھ رکھا ہوا تھا ۔ مگر وہ اُس کی جان کے درپے رہتا تھا ۔ بنجارہ نے شہزادی سے کہا ؎

میرے مالن کی کمّی نہیں پُتر کی نہ آس ...... من بھولو تو سُو کروں جے تو رہا چاہے پاس

بنجارہ نے اُس مظلوم کو بیٹی بنا لینے کی پیشکش کی تو اُس نے قبول کر لیا اُدھر بھتیجے کی آنکھوں میں خون اُتر آیا ۔ لیکن کچھ کہہ نہ سکا ۔ شہزادی وہاں رہنے بسنے لگی ۔ پابند صوم و صلوٰۃ ، تہجد گذار ، ہر وقت صدق دل سے دُعا مانگا کرتی ؎

جو رب ان نے کری وا کو جایو بھول ...... ٹھ کا ان کو دیجیے میری دُعا کریو قبول

لہ اور تم نے ہمیں کو سہ گرے دن آ رہے ہیں کی سہ دل ہلا دی تھی

خدا کی قدرت ۔ دعا قبول ہوگئی ، بڑھاپے کی عمر میں اُس نیک دل بنجارہ کے ہاں ننھے مہمان کی آمد کی تیاری ہوگئی ۔ شہزادی کو ان کے پاس ایک سال ہوا تھا ۔ ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ۔ بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا ۔ شہزادی ہر وقت اُسے کھلاتی رہتی اور بعض اوقات اپنی ہی پاس سلاتی ۔ بھتیجے کو جہاں شہزادی کو بیٹی بنا لینے کا رنج تھا ۔ بچّے کی پیدائش نے تو اور بھی جلتی پر تیل کا کام کیا ۔

اُدھر شہزادی کا ستارہ ابھی گردش میں تھا ۔ ایک رات بھتیجے نے اُس معصوم کو چپکے سے شہزادی کے پاس سے اٹھا لیا اور نیند میں مخمور شہزادی کے بیدار ہونے سے پہلے ہی قتل کر دیا ۔ لاش زمین میں دبا دی ۔ کچھ خون لڑکی کے منہ کو بھی لگا دیا تاکہ قتل اُس کے ذمّہ لگ جائے ؎

آدھی رات نکھٹڑ ہاتھ میں لے ٹُو دھارو ...... بارے دُون اُجاڑ پُتر چاچا کو مارو
لاش دبائی دھرتی میں بر تن اوٹا خون ...... بنا کھوٹ تقصیر ہی یا نے تجن کرو معصوم

شہزادی نیند سے بیدار ہوئی اور تہجد پڑھنے کے لئے کھڑی ہوئی تو ماجرا عجیب پایا ؎

ہُو یو تہجد وقت نیند سو لڑکی جاگی ...... لڑکو پایو نائے پھٹی جائے یا کی چھاتی
سُو کُن لگو سر پیر نین سو جاری ...... ڈاکن ہو گو نام کہے گی پرجا ساری

تینے ہی پیدا کری ، تینے ہی دینی جان
ان ہوئی ہیں ہو گئی مالک میرو رکھیو درس اِمان

اس روح فرسا سانحہ سے وہ تڑپ اٹھی ۔ بنجارن کی چار پائی پر بھی دیکھا لیکن بچہ کہاں ۔ اُسے اپنی انتہائی بدنامی کا شدید احساس ہوا ۔ گناہگار وہ ہی متصور ہو گی ۔ اُس نے اپنی منہ بولی والدہ بنجارن کو جگا کر کہا ؎

لہ ۔ تو دھاری تلوار ۔ زمین کے ۔ قتل کیا ۔ سو کھے نکلے ۔ دنیا ۔ انہونی ۔ ایمان

میری اُٹھیو ماتا پلنگ سوں تو کو کیسے نیند سہائے ...... متا منڈا میں چوری ہو تی ماتا لڑکو پایو نا ہے

وہ بھی گھبرا گئی اور اپنے خاوند کو بین کرتے ہوئے بیدار کیا ؎

اُٹھ بنجارہ بھوپ ہُو یو گُل دیو و تیرو ...... جو جنمو میری کوکھ پُتر نہ پایو تیرو !!

سُن بنجارہ باوُلا دا ہے کھا گو کو ئی دُوت ...... جو جنمو میری کوکھ میں تیرو پایو نا ہے پُوت

اکلو تے کمسن بیٹے کے غائب ہونے کا سُنکر بنجارہ بے حد مضطرب تھا۔

لیکن ضبط سے کام لیا اور بنجاری کو سمجھاتے ہوئے کہا ؎

وا ہی نے پیدا کرو، وا ہی نے دینی جان ...... گیا لال بگدا نہیں چاہے تو رَو رَو تجا پرآن

لیکن غمزدہ ماں کو چین کہاں ؎

تیرو ٹانڈو اُوجڑ ہو یو ہو یو تو اُوجڑ کھیڑو ...... یا دُنیا کے بیچ ہو یو گُل دیو و تیرو

میں دکھیا ہی آدڑکی رب نے پُترو ینو موئے ...... عالم چمن گو گود سو جگ میں جینو کیسے ہوئے

بنجارہ پھر بھی صبر و قرار کی تلقین کرتا رہا ؎

بنجارہ تو کہے صبر کر لے بنجاری ...... پُتر ہر گز آوے نائے رَوئے چاہے دنیا ساری

پتران کا نہ رہا جن کو رچی جمین اسمان ...... گیا لال بگدا نہیں ناحق رَو رَو تجبا پران

شہزادی اپنی جگہ مبہوت کھڑی تھی۔ رنج و الم کے بادل اُسے گھیرے ہوئے تھے۔
بنجارہ اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا کہ کچھ اتہ پتہ مل سکے۔ بھتیجا موقع کی تلاش میں تھا ہی اُس
نے چچی کو یہ کہہ کر بلایا ؎

چاچی جلدی آئے ساتھ میں لائے اُجالو ...... اب تو دآمے کر کے دیکھ، دیکھ لے چہرہ سارو

آری چاچی دیکھ لے پڑا دھرن میں خون ...... اِی ڈاکن ہی کا ئی دیس کی، یا نے ڈھو کنور معصوم

بنجاری آئی۔ اُس نے دیکھا۔ بھتیجے کی بات صحیح نکلی۔ اُس نے یقین کر لیا کہ شہزادی
نے ہی بچہ کو چبا کھایا ہے۔ مُنہ پر لگے خون اِس بات کے شاہد تھے۔ بھتیجے کا

ے [illegible] کی اچھی طرح۔

تیر صحیح نشانہ پر لگا۔ بنجاری شہزادی کو کوستے ہوئے بولی ؎

خبر پڑی نہ موئے دھنی میرے ڈانڈے آگے ...... دیتی گولی سو مروائے توئے جب چور بنا کے

یا اکلوتا پوت سُو چلتو میرو نام ...... تو کو ٹانڈا سو کیا بر ہو یا کو کھا نو ہو نمک حرام

ایک تو بے گناہ، دوسرے معصوم بچے کے قتل کی تہمت، شہزادی کے دکھی دل کے لئے ناقابلِ برداشت بات تھی۔ اور پھر بچے سے تو اُس کا بے انتہا پیار بھی تھا۔ بنجاری سے کہنے لگی ؎

مانتا بہت کرے ہی پیار نت گودی بیں راکھو ...... اب رچنا کیسے رچی خبر ہے آپ خدا کو

جلم ہمن پہ کر گیو مو کو دیکھ غریب ...... یا بیرا کے کارنے مو کو دو جگ ہوئے نصیب

شہزادی کی بے گناہی کا بنجارہ کو حتمی یقین تھا۔ گو پیرانہ سالی میں اُس کے واحد معصوم بچے کا بیدردی سے قتل ہوا تھا۔ لیکن اُسے شہزادی پر نہیں، بلکہ اپنے بھتیجے پر شک تھا بیوی سے کہنے لگا ؎

اپنے مطلب کی پت تاب کہے جب بھی بنجارو ...... لالچ بُری بلائے پتر چاچا کو مارو

لیکن بڑھیا کہنے لگی ؎

سُنیو میر اسائبا کیں تو گودی سُت کو بھرا ...... آنکھن دیکھی جھوٹ نا دیکھا جنے منہ کے خون لگا

بنجارہ سمجھدار تھا۔ اُس نے ایک تاریخی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ؎

وا حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ دیو و کنواں میں ڈال ...... ھرنی ماری گیل بیں کپڑا کیے خون میں لال

جو لڑکا کو مار گو او مانس ہے اور ...... بجے ای لڑکا کو مارنی ٹانڈا بے جاتی چھوڑ

بھتیجا بھی جھوٹ موٹ کے آنسو بہا کر شکایت کرنے لگا ؎

ای پُتری کر کے راکھ لی یا ٹانڈا کے بیچ ...... ہم بھی چھوڑ جاں پردیس کو مانگ کھا لنگا بھیک

بنجارہ پر اُس کی بات کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اُسے بخوبی علم ہو چکا تھا کہ قاتل تو اُس کا

۱؎ [illegible] خوامخواہ حمایت کرتے ہو۔

بھتیجا ہے ۔ لیکن خون کا گھونٹ پی کر رہ گیا ۔ بھتیجے سے خود بھی خائف تھا ۔ بیوی سے کہنے لگا کہ اس نیک بخت لڑکی کی دعاؤں کے طفیل تجھے سب کچھ ملا ہے ۔ لڑکے کا قاتل کوئی اور ہے یہ نہیں ؎

جب ای آئی ٹانڈا بیچ مال تیرے بڑھو سوایو ...... جادن توای ملی چین سکھ تینے پایو
پالکی ہونے کی پرتاب تیتر تیرے جمو حل میں ...... تینے وادن سوز جنو بڑھاپو چھاگو تن میں
لڑکا کو جو مار گو ، اور مانس ہے اور
جے ای لڑکا کو مارتی رہیں سو جاتی چھوڑ

لیکن بنجارے پر بھتیجے کا جادو چل چکا تھا ۔ اس نے بچے کے قتل کی ذمہ داری شہزادی پر ہی ڈالی ۔ یہ بے چاری قسمت کی ماری ، سمجھ گئی کہ اب یہاں رہنا ناممکن ہے ۔ اس نے خود ہی ٹانڈہ چھوڑ کر چلے جانے کا فیصلہ کر لیا ؎

ما نتا کچی مت تکا کیں ای چھوٹے اپنی ٹھوڑ ...... ہم دکھیا بال اوڑکی تیرا ٹانڈہ سے جاوال چھوڑ
جدا ہونے میں وہ بنجارہ سے رو رو کے ملی ؎

پیٹ کتر فی بگ رہی ملی پتا سو رو ئے ...... میں دعا کروں اللہ سو تیرو بال نہ بانکو ہوئے
سنیو بابل باؤلا مانتا بھولی دور ...... واجنت فردوس میں تو کو چکھا ڈھولاں حور

وہ روتی دھوتی ٹانڈہ سے رخصت ہوئی ۔ بنجارہ کو اب دو غم بری طرح ڈس رہے تھے ۔ ایک تو بڑھاپے کے اکلوتے معصوم بیٹے کی ناحق موت ، اور دوسرے ایک مجبور ولاچار پر یہ تہمت لگی ۔ جب کہ اسے بھتیجے پر قتل کا قوی شبہ تھا ۔ لیکن وہ اس سے خائف ۔ کہہ بھی کچھ نہیں سکتا تھا ۔ کلیجے پر صبر کا پتھر رکھا ۔ اور سب کچھ دیکھتا بھالتا چپ ہی رہا ۔

شہزادی نے بنجارہ کا ڈیرہ چھوڑا تو وہی جنگل بیابان ملا ۔ رنج والم کے بادل امنڈ آئے ۔ اپنا بچپن ، ماں باپ ، خاوند اور بچھڑ گذرے ہوئے خوشی کے دن

کی یاد آئی ؎

تن میں ہوتا گھاؤ پوچھتی مانت من کی ...... اب بارے بارے کوس ہوا نہ سگے وطن کی
تیری ہو گی بھئے جے حج بگد تو ستید جادہ ...... ناحق بن گو پیو آن کے اگّ بھٹا جا
بارے دُون اُجاڑہ آج تو درشن دکھا جا
شیشی بھری عطر کی دھری کدی پریم رس چاکھا ...... میرو گھائل ہو گو جیو آن کے غسل تا جا
جن تن عطر ملاوتی اُن تن چھا گی بالو ریت
جن کا پی پردیس میں اُن کا بنجر رہ گا کھیت

اِس نے اُداسی کے عالم میں اُسے نیند آ گئی۔ لیکن کچھ دیر بعد پھر جاگ اٹھی اور روتی روتی کہہ اٹھی ؎

تیری حج ہو گی جے ہوئے بگد تو ستید جادہ ...... کیسے غسل اُتاری جائے آن کے ہمن بتا جا
میرو ناحق بنکو پیو اگّ سو اگّ بھٹا جا ...... شیشی بھری عطر کی دھری نا گئے رس تینے چاکھا
جن تن عطر لگاوتی اُن تن چھایو بالو ریت
تیرو باغ اُداسی لے رہو مالی تو اب بھی جلدی چیت

ماں کی یاد بُری طرح ستانے لگی اور وطن بھی یاد آیا۔

معلن پڑھے ہی قرآن بچھا کے چُنّدن چوکی ...... میرے کرم لکھا کی ریکھ ملی ہے جڑ درخت کی کر ناخدا کا۔ سمے آدھی رات کا۔ پاس پاس دو درخت کھڑے۔ اُن پر دو جانور الگ الگ بیٹھے تھے۔ آپس میں باتیں کرنے لگے اور شہزادی سُنتی رہی موضوع گفتگو اپنے اپنے درختوں کی تعریف تھی ؎

دھولو کرے بیان کہے کالا جنّ بجر سو ! ...... میرا درخت میں گن بہت نہائے جو میرا پھل سو
میرا درخت میں گن بہت ہاں جے کوئی گھس کے لگائے اگّ ...... سات دنا کا بیچ میں کوڑھی کو بدل جائیگو رنگ

لہ درشن - دیدار ؎ دُرخ کر - خوشی میں ؎ سفید ؎ جانور ؎ نہائے

دوسرے جانور سے کہاں رہا جا سکتا تھا۔ اُس نے اپنے والے درخت کی صفت بیان کی ؎

سُن ڈھولا کا بچن غفو کالا کو آیو !!! ...... اپنا درخت کا گن دیکھ جیو میں بہت سہایو

میرا درخت میں گن بہت ہاں جے کوئی سُنتو ہوئے ...... آندھو کھائے آنکھ میں تُرت سُیاں[1] کو ہوئے

شہزادی نے دونوں درختوں کی خاصیت سُنکر الگ الگ پتے توڑ کر رکھ لئے اُسے کچھ کچھ یقین ہونے لگا کہ اب آزمائش کا دَور ختم ہونے ہی کو ہے۔ لڑکی نے مردانہ لباس پہن لیا اور حکیم کا رُوپ دھار کر نزدیکی شہر کی طرف چل پڑی۔ رات کو ایک سرائے میں قیام کیا اور بھٹیاری سے کہنے لگا ؎

میں تو بید حکیم شہر دلی سو آیو !!! ...... تو کو پیسہ دُونگو آٹھ ایک چرپائی[2] لایو...

سُن بھٹیاری باوَلی میں سمجھاوَں تو ئے ...... ہم دوا اُنن کو دینگا جو آندھو کوڑھی ہوئے

بھٹیاری سے کہہ دیا گویا ڈھول کے ڈنکے پہ چوٹ لگا دی۔ بھٹیاری نے جگہ جگہ جا بتایا حکیم کو پتہ چل گیا کہ اُس ملک کا بادشاہ عرصہ بیس سال سے نابینا ہے۔ اگر اُس کا علاج ہو جائے تو وارے ، نیارے ۔

بادشاہ نے دلّی سے آئے ہوئے حکیم کی تعریف سُنی تو علاج معالجہ کی خاطر محل میں بُلالیا اور التجا کی ؎

میرا سُن یو بید حکیم بیٹھ کرسی پہ جایو ...... ہیں تھکگا[3] بہت حکیم مرج نہ اُن کو پایو

بیس برس کی آنکھ ہاں دوا کری دن رات ...... منشا اپنی میٹ لے جے جس[4] آوے تیرے ہاتھ

حکیم نے اپنی حکمت کی دھاک بٹھانے کی غرض سے بادشاہ سے پہلے ہی پُوچھ لیا کہ انعام میں ملیگا کیا ؎

بید بنا جگ میں پھراں یہی ہمارو کام ...... تیرے نین اُجالو رب کرے بادشاہ بخشا کیا انعام

---

[1] بینائی بحال ہونا [2] چارپائی [3] زور آزمائی کر گئے [4] کامیابی حاصل ہو۔

بادشاہ کو تو بینائی درکار تھی کہنے لگا ؎

آدھی تو گدی دے دوں آدھا دوں محل مکان ...... تو کو کواری بخشوں ڈاوری پھر بھی باقی رہے اِسان

بادشاہ کی بات سُن کر حکیم نے علاج شروع کیا اور خدا کی قدرت اُسی درخت کے پتے گھس کر لگادیئے جن کا سُن پکا تھا۔ بادشاہ کی بینائی لوٹ آئی۔ خوشی میں وہ بادشاہ نے اپنا وعدہ پورا کرنا چاہا لیکن حکیم نے کچھ نہ لیا۔ صرف انعام واکرام کی رقم سے وہیں ایک شفاخانہ بنوالیا۔ جس میں اندھوں اور کوڑھی لوگوں کا علاج ہونے لگا۔

بادشاہ کی بینائی کیا لوٹی اُس حکیم کی شہرت کو پر لگ گئے۔ دور دراز کے لوگ اِدھر کا رُخ کرنے لگے۔ دِلّی سے وہی بے وقوف دیور، راستے میں ملنے والے ڈاکو بنجاری اور اس کا بھتیجا جو کوڑھی ہو چکے تھے۔ اور علاج سے مایوس ہو چکے تھے اس حکیم کی شہرت سُن کر وہاں پہنچے۔ شہزادی نے بھیس بدل رکھا تھا۔ یہ ظالم تو اُسے پہچان نہ سکے۔ البتہ اُس نے سب کو پہچان لیا۔ حکیم نے سب کی روداد باری باری سُنی۔ پہلے دیور سے پوچھا کہ بیماری کے لگنے کی وجہ کیا بنی اور کتنے دنوں سے ہے ؎

سُن سیّد کے کنور بھید یا دُکھ کو کھولو ...... دوا اثر کریگی نائے جھوٹ جے تم نے بولو
کر کائی کو دھن ہڑو کہ دغا کری بے سنگ ...... کیا پاپ کمایو جگت میں جا سو کوڑھی ہو گو انگ

تو اُس مکار نے اپنی رام کہانی سُنا ہی دی ؎

میرو بیر گیو ہو حج کو چھوڑ کے گھر پہ موکو ...... واکی ہی ستوا دن نار دکھ میں نے دینا وا کو
اُو ستواون نار ہی ولکے میں نے چپر لگایو دُوکھ ...... تہمت لگائی جنا کی یا بد کا یا چھا گو روگ

صحیح بات سُن کر حکیم نے اُس کا علاج کیا اور قدرت خدا کی وہ صحتیاب ہو گیا پھر اُس نے چوروں کو طلب کیا اور ان کی کتھا سُنی ؎

میرا سُن یو چو رُج بیر بھید یا دکھ کو کھولو ...... دوا اثر کریگی نائے جھوٹ جے رتی بولو
دوا تمہاری میں کروں اپنا دل بے بندھاؤ دھیر ...... کیا پاپ تم نے کر جا سو کوڑھی ہو یو سریر

(خاص خاص معانی اگلے صفحہ پر)

تو وہ ظالم، بے حد پریشان حال اور شرمندہ ہو کر اپنی کرتوت بتانے لگے ؎

بارے دُون اُجاڑ میں علی رستہ میں ناری ...... واکو ننگو کر و سر پہ دُکھ واکو دِینو بھاری
اُو ستوا دَن ناری ہم نے واکو جیور لینو کھول ...... ننگی کر کے تاڑ دی تو مُو سچا بولاں بول

حکیم نے لعنت ملامت تو کی لیکن دبے الفاظ میں - بعد میں اُن کا علاج معالجہ کیا وہ بھی بیماری سے نجات پا گئے ۔

اب باری بنجاری اور اُس کے بھتیجے کی آئی۔ بنجاری سے مخاطب ہو کر پوچھا ؎

سُنیو ما تُتا بات بھید یا دُکھ کو کھولو ...... دوا اثر کریگی نائے جھوٹ جے منہ سو بولو
کہ کائی کو دُکھ دیو کر دغا کرو ہے سنگ ...... کیا پاپ تو سُو ہُو یو جا سُو کو ڈھی ہو گو انگ

بنجاری نے حقیقت بتائی - اور صاف صاف کہدیا ؎

میرا سُنیو بید حکیم بتاؤں سچی تو کو ...... بچپلا پن میں آ ر مُتر اک رہنے دِینو مو کو
ایک ستوا دَن نار ڈُئی جب ٹانڈے آ گے ...... میں نے جبر و کینو جُلم پُتر سر دینو وا کے

اُو ستوا دن ناری وا کے میں نے چپر لگا یو دُکھ
جادِن اُو رو کے گئی اُجاڑ کو میرے کا یا بُجو گو ڈھ

حقیقت سے آگاہ ہو کر حکیم نے بنجاری کا علاج کر دیا۔ اب رہ گیا ظالم بھتیجا حکیم نے اُس کی بھی رام کہانی سُنی تو اُس نے اپنے بھیانک جُرم کا انکشاف کیا ؎

آدھی رات بکھنڈ ہاتھ میں لے دُو دھیارو ...... بارے دُون اُجاڑ پُتر چاچا کو مارو
لاش دبائی دھرن میں بر تن او ٹا خون ...... بنا کھوٹ تقصیر ہی میں نے بجن کرو معصوم
اُسے بھی اُنہی چتوں سے نہلایا اور حلف نے صحت کامل عطا کی -

(حصو بیوستہ ہے۔ نہ بیٹی نہ نیک سیرت تھے الزام تھے بزناشہ حوصلہ رکھو

کرنا خدا کا۔ حاجی صاحبان بھی واپسی پر آتے ہیں اِسی شہر میں رک گئے۔ ان میں وہی سیّد زادہ حاجی بھی شامل تھا۔ دونوں بھائیوں کی اچانک ملاقات ہوگئی۔ بڑے نے چھوٹے سے پوچھا ؎

ماں کا جایا بیر یا شہر میں کیسے آیو ...... موکو سچی دیو بتائے مَتِن موسوں شرمایو
تیری بھاوج بے آیو چھوڑ کہا واسوں دکھ پایو
جے گھر گئی ہوئے کائی غیر کے غیر سوں کری ہوئے مجاق[1] ...... چل کے اپنی ہم پہ واکو دو نگو تین طلاق

باوجود اس کے کہ اُس شیطان کو اپنی کرتوت کا علم تھا۔ اور پھر ایک نامُراد بیماری سے ابھی چھٹکارا ملا تھا۔ بھائی کے پوچھنے پر اُس کی خباثت پھر عود کر آئی۔ اور اُس نے بتایا ؎

میرا تو مانی جایا بیر نار تیری بڑی آماتے ...... سب سوں ہنس کے کرے ہی مجاق اُتر گو واکو پانی
بنت کی کرے ہی سنگار، چڑھی واپے ایسی جوانی
بنت جاوے ہی غیر کے سو سو ہجے مانی نائے ...... خصم ہُنُ پہ نہ جھلو میں چھوڑ گیو بن بائے

بدذات چار دل چور بھی وہیں تھے۔ انہیں پتہ چل گیا کہ جس معصوم، اور بے گناہ کو رات کی تاریکی میں انہوں نے لوٹا تھا۔ وہ حاجی کی بیوی ہے۔ وہ بھی حاجی سے شکایت کرنے لگے ؎

بارے وون اُجاڑ ملی ہی تیری ناری ...... ہم سو مجڑتے ہی لوں کہی بنوں ہیں جو وہ تمہاری
لوبھ ہُمن کو دے رہی سارو جیبو ردیو سونپ ...... چھوڑی ہی بکٹ اُجاڑ میں ہم نے کر خدا کو خوف

بنجاری بھی شفاخانہ میں تھی۔ وہ بھی سُن پائی اور حاجی سے کہنے لگی ؎

بُرا طور واکا بلاں، واکے حیا شرم ہی نائے ...... میرا ٹانڈہ میں آکر رہی بیراہی گئی بتر کو کھائے

حاجی صاحب کو اُس کی کرتوت پر بڑا غصہ آیا۔ اور کہنے لگا کہ اگر گھر سے

---

[1] مذاق [2] جو کسی کا کہنا نہ مانے [3] بیوی [4] لالچ

نکال باہر کردی تو اچھا ہی ہوا۔

حاجی صاحب نے حکیم سے ملاقات کی جو اُسے بادشاہ کے دربار میں لے گیا۔ پھر ساتوں مریض بھی طلب کرلئے۔ بھرے دربار میں حکیم نے کہا کہ میں انہیں اپنی دانائی اور فراست سے گنہگار اور جھوٹا ثابت کروں گا۔

حکیم حاجی سے مخاطب ہوا اور بولا ؎

حاجی تیرو بیر کام یا نے کینو کھوٹو ...... بنا کھوٹ تقصیر دیو بھج وچ کو دِسوٹو
چارو بیٹھا چور رات میں جیور لینو ...... ان نے جبرو کینو ظلم خوف نہ رب کو کینو
اِی بنجاری بھوپ ڈُٹی یا کے ٹانڈے جاکے ...... یا نے بھی کینو ظلم پُتر سر دینو وا کے
اور ای بنجارو کھرو پُتر چپا چاکو مارو ...... یا نے بچہ کینو بجن اجاڑو ٹانڈو سارو
سُنے حاجی سے تو سو کہو ں سے اِک سپنو دیکھو مو ئے !!
ساتوں سے تیرا چور ہاں سے اب میں سے سچ بتادوں تو ئے

جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے کئے ظلم کا بھانڈا پھوٹے گا تو اپنی صفائی بیک زبان بڑی ڈھٹائی سے پیش کی ؎

رنگے بید حکیم تہیں تو چور بتاوا ...... اور دھن تمہاری مائے[1] سبھا شو تو چھڑا دا
ہم تو مہا غریب حال ہوگا نپٹ گنوار ...... سچ مثل یا جگت میں دیکھی سر ساکی[2] سینار

حکیم نے کہا میں وعدہ کرتا ہوں۔ کہ سزا سے تمہیں بچالوں گا۔ بشرطیکہ سچ بتادو۔ لیکن یہ بدکردار اپنی بے گناہی کا بدستور واویلا کرتے رہے ؎

تینے پاپ کمایو جگت میں جھوٹو تیرو خواب ...... روز حشر کا بیچ میں کہا تو دیا گو خدا کو جواب

حکیم نے حاجی اور بادشاہ کو سب کچھ بتادیا۔ بادشاہ نے کہا ؎

دھرم نہیں ہاں چوسکا اپنی خطا بیت یا لوٹ ...... کرو کرم ہانگا تہیں حاجی چاہے دھرتی جاوے لوٹ

[1] شاباش [2] آفرین تمہاری ماں کے [3] طاقت ور

حکیم نے بھرے دربار میں اُن کی کرتوت سے پردہ اٹھایا لیکن ابھی اپنا آپ ظاہر نہیں کیا تھا۔ چور کے پاؤں کہاں۔ اُن کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ حکیم نے ایک دفعہ پھر کوشش کی کہ وہ مان جائیں ؎

میرا مَن یو چو رَچ بیر بتاؤ موکو ساچی .... بندھ ہرگج ہون دَوں نا تے لگن دُوں نہ کو چالنی
دیس بدیس اِی ملک ہے دُنیا چور بنائے ..... نخا تمن سُو ہو گئی موکو سچی دیو بتلائے

لیکن یہ بھی ضد کے پورے نکلے۔ صاف انکار کر گئے۔ حکیم نے انہیں مہلک بیماری سے نجات دلائی وہ اِس احسان کو بھی بھول گئے۔ حاجی بھی بول اٹھا کہ اپنی صفائی میں وہ قسم کھا جائیں۔ وہ کب چُوکنے والے تھے۔ مشترکہ طور پر سب نے جھوٹی قسم اٹھائی۔ لیکن کرنا خدا کا۔ اُن کے جسموں سے دوبارہ کوڑھ جاری ہو گیا۔ اب تو وہ اپنی اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے حکیم کے قدموں میں گر پڑے۔ حکیم نے اُن کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ بلکہ پردے میں جاکر اپنا لباس تبدیل کر لیا۔ شہزادی سب کے سامنے اپنے اصلی رُوپ میں آ گئی۔ بھرا دربار حیرت زدہ تھا اب تو دیور اپنی غلطی پر، چور اپنے کئے پر، بنجارا اور اُس کا بھتیجا اپنی خطا پر نادم تھے۔ شہزادی نے انہیں سب کے سامنے ظاہر کر دیا۔ حاجی نے اپنی بیوی کو پہچان کر کہا ؎

میری سُن ستوادن نار جیٹھو میرو گھبرایو .... جو بیتی تیرے سنگ بِیت تو مو نے بتایو

اسی دوران بنجارہ بھی وہیں پہنچ گیا۔ شہزادی رو کے گلے سے لپٹ گئی۔ اور کہنے لگی ؎

پِتا بنجارہ محبوب مُہر مُو پہ ہو گی رب کی ..... مُو مُو ل لے بانبہ لپٹار دیکھ صورت دُکھن کی
جیسی کرنی تو کری تو سو راجی ہو یو غفور! .... جنت مُو پایا باغ میں تو کو دیکھاں ڈھولاں مُور

ل ہرگز ۲ دل، طبیعت، ۳ مہربانی

بنجارہ اپنے بھتیجے سے کہنے لگا:

بارے دوُن اجاڑ میں تینے میرو ناحق مارو لال .... جلیا ٹنڈو ہے سانپھ لے میں نے سارو چھوڑو مال

دیور بھی پاؤں پکڑ کر بھابی سے کہنے لگا:

بس انکھوٹ تقصیر ہی بھابی تو سُو بولا جبر کلام .... معافی دید ے عمر تیرو ہوکے رہوں غلام

چاروں چور، بنجاری اور اُس کا بھتیجا بھی قدموں میں گر پڑے۔ بنجاری کہنے لگی:

واٹانڈہ کے بیچ میں تیرے چیر لگایو دو کھ .... باندی بن کے میں رہوں بیٹی تیرا اُپر کھلاؤں گود

شہزادی نے سب کو معاف بھی کر دیا اور دوبارہ علاج معالجہ بھی کیا۔ سب کے سب صحت یاب بھی ہو گئے۔ بادشاہ اِس نیک دل شہزادی کے کردار سے بہت متاثر ہوا۔ اُس نے حاجی کو تخت و تاج پیش کر دیا:

سُن حاجی میری بات نیاؤ یا نے بیکا کینا .... دیا دھرم بھی پایو جس سارا لے لینا

حاجی میں تو سُو کہوں بات سنو ہماری آج .... ہم تسبیح ہے محبت رہاں تم کرو نگر پر راج

حاجی بادشاہ اور شہزادی رانی بن گئی۔ سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

شاعر

میرو بنو لنڈاوت گوت بات ہے کھولے خلاصہ

میرو اسماعیل[1] ہے ناؤں رب سے ملنے کی آسا

کھیڑو نگر جلال پور جایں دے بانکا باوت

بسُودہو چوہان کو جاکے کھا گی دِسا کلہوںٹ

جلے اُوپر دھرتی رچی دھرتی اُوپر دیس

کھیڑو گاؤں جلالپور شاعر جایں ہو تو رہے ہمیش

[1] اسماعیل گوت سے بانگھٹیا (لنڈاوت) جلال پور۔ ڈاک خانہ ماڑی کھیڑہ، تحصیل نوح ضلع گوڑ گانوہ کے رہنے والے تھے۔

ماہنامہ سیلہ

گورجا کو چھل

پاروتی گورجا مہادیو کی گھروالی ہی ۔ مہادیو کی نوں کہواں ہاں کہ چھے چھے مہینہ کی نیند بھرے ہو۔ ایک بر گورجا وا کا سوون سُو چڑھ گی اور وائی کا بالکا بھسماگر پہ ریجھ گی بھسماگر اپر بل بالکو ہو مہادیو وا نے تیٹھ چھوڑ و ہو۔ کرشن جی مہاراج نے اِی بچوا یو بھسماگر بھسم کر دیو ہو۔

گورجا اور مہادیو کی بات ہی با تمن میں بگڑ جاو کرے ہی۔ اور پھر بن بھی جاوے ہی۔

"گورجا کو چھل" بھی ایک ایسی ہی بات ہے۔ مہادیو سو شنکر اور گورجا سو گورا بھی کہوا ہاں ۔ شنکر سُو گورا کہے پی ہر کو جاوں ..... تین دِنا کی سیکھ دے پیا میں اُلٹی آجاوں

مہادیو واسو دور رہنو بھی نہ چاہے ہو۔ کہن لگو ۔

نا تریا کی پت کروں نا میرے انکھین
تو بے پی ہر کو جب جان دوں بچن بھرا لیوں تین

بچن کا پابند تو ہائی یہ لوگ اور پھر تین بچن ۔ اِن کی پابندی تو ہر صورت کرنی ہی پڑے ہی ۔

۔ بچن گورجا بھر گئی بِلا ہاتھ میں ہاتھ ..... آو نگی ڈٹ سوں نہیں تو جی کو تھباوں رکھ

بچن بھر کے گورجا چلی گی ۔

گورا ہوں سُو چلی پی ہر کی سُرت لگائی ..... سکھی سہیلی ملی اور مرے کا کی تائی !

ملو کُٹم پَر وار بھتیجا بیٹا بھائی ..... ملو یا کو ہیا جل سو باپ اور چندراول مائی

بھائی بھتیجا سب مِلا یا کو ملو کُٹم پَروار !!
ہوئی خوشالی نگر میں گورجا آ گی راج کمار

---

[1] نیت - یہاں اجازت مراد ہے۔ [2] یقین [3] تیرا قول قرار لوں [4] تسلی [5] رکھ [6] جچھے
[7] خاندان، قبیلہ۔

گوراپی بر میں آئی ۔ یاکا آن کی سسبن نے خوشی ہوئی ۔ ای بھی سبن سو راجی ہو ہو
کے بل اور بلن جلن میں مہا دیو سو بھرا پچن نے بھول گئی سے

وا پر بہت کیلاش میں یا کی شنکر دیکھے باٹ ..... گورا تو بگڑی نہیں بیت گیا دِن آٹھ

مہا دیو بھی ایسو نا ہو کہ کچھ دِن ڈٹ جاتو ۔ پھٹ دے سی تیار ہو سا سُترا گو چل پڑا ۔ کھوڑ بیل
موچی کو بن چھوڑ و ۔ اُتّم رُوپ دھار کے سے

شنکر ہوں سو چلو ٹا پیچھے تو بنگائی ...... جتنے گورا گئی ہون کی سرشت نکائی !

شنکر ہوں سو چلدیو بھیر موچی کو بھیس ...... پہنچو بیچ بجا ر میں شاہ ہماچل کے دیس

موچی بن کے بجار میں جا بیٹھو ۔ اچھی سوا اچھی جوتی پے دھرلی ۔ گورا کی ایک چیری نے دیکھ لیو
بہت ملوک لگو ۔ وانے گورا سو جاتے ہی کہی سے

چیری ہوں سو چلی دوڑ گورا پہ آئی ...... ایک موچی روپ سروپ موچڑی یا عجب بنائی

موچی روپ سروپ ہے یا کے اَگتی آواں موبچھ ... تیرو دِل لچے گو گورجا گرانے محل سو کوچ

گورجا بھی ڈٹنیا نا ہی کیسے ڈٹتی ۔ پہنچ گی ۔ جا کے دیکھو تو موچی بہت ملوک لگو ۔ جوتی بھی
پسند کرلی ۔ یا ہی بہانہ سو واسو مول پوچھن لگی ۔ سے

موچی کا رے چھوکرا کہدے سچو مول .... تیری میں ہے لونگی موچڑی موچی جھوٹھ رتی مت بول

موچی نے جوتین کی تعریف کری ۔ اور پھر ایسو انو کھو مول بتا یو جا کی تن گورا پہلے ہی کرے ہی ۔
سے جڑوا ان میں نیلم اور پکھراج جڑا ہیرا اور موتی ...... تیری سب لنگی کو مول مال کی کروں بھرو تی

ہم تم ایک ہیں نے گھڑا ایک بنا یو رنگ ...... مے پہنرنگی موچڑی جو چلاں ہمارے سنگ

گورجا تو متوالی ہوئی پڑی ہی ۔ جوتین کو تو بہانو ہی ہو ۔ جھٹ دے سی تیار ہو گی ۔ بس
اِتنی سی مہلت مانگی سے

---

۱ انتظار ۲ سسرال ۳ چھپائی ۴ جھرشہ ۵ روانہ ہوئی ۶ بازار ۷ ملوک ۸ بھوٹے
۹ ڈٹنے والی ۔ رُکنے والی ۱۰ پورا کروں ۱۱ جلدی سے ۔ فوراً

جیر گورجا کہے ناۓ برا سو پاؤں ...... موچی تو بیٹھو رہیو ہین تک محلن ہو یاؤں !
موچی کا رے چھوکرا اب میں محلن تک جاؤں ...... اپنا جی کو تھیاو سں راکھ لے تنک میں اکٹی آجاؤں
محلن میں پہنچی اور اپنا مال سو جا کہی ۔

تین دنا کا پچن ہا بیت گیو دن آٹھ ...... وا پربھت کیلاش میں میری شنکر دیکھے باٹ
بیٹی کا کہا ئے ماں بھی مان گی اور بھی سمجھان لگی

جاری بیٹی گورجا منتن لگاوا دیر ...... وا شنکر کی سیوا کر و بیٹی آنو کر یو پھیر
ماں نے کہا پتو کر بیٹی موچی کا پرتے بجھ گی ہے ۔ وانے کھندا دی ۔ ای ہو تیا ۔

گورا اٹھوں سو چلی کسوم ریلکے ساڑھی ...... پہنچی بیچ بجار سیں جب وا کو ماری
آگے آگے گورجا یا کے پیچھے موچی جائے ...... ہو یا بار جب شہر سو شنکر نے دینو ناد بجائے
گورجا نے پتو لگو کر موچی کا بھیس میں خود مہادیو ہے ۔ کھسیائی تو ہوئی اپر دبنیا ماری
مہادیو سو کہن لگی

سُن شنکر میری بات کنے تو نے گیل بتائی ...... تینے جادو دینو گیر آ تینے ہیں بہکائی
جادو گیرا جوگنا تیرو سب چھل بھرو سر تر ...... تینے گیری موپہ موہنی بٹھا دیا ہاں بیر
مہادیو بھی روس میں بھر و ہو یو ہو ۔ وا پہ نا ڈو گو اور وا نے گورجا سو جل بھن کے کہی

وا پربھت کیلاش میں تو مارے ہی دھونا پانی موند
رو کے شہر بجار میں گورجا اچھو بر لے ڈھونڈ

سن ان سنی کر کے گورا کہن لگی
ہا تو جادو گیر و جوگنا تو پہ وہی نا مذیا بیل ...... وا پربت کیلاش میں تیرا گورا دیکھا کھیل

---

۱ جلدی ۲ جا کے ۳ ساڑھے کی ایک قسم ۴ آنکھ کا اشارہ ۵ مہادیو کا خاص بگل
۶ دبنے والی، کمزور ۷ کس نے ۸ جسم ۹ باون بیر، جادو کی ایک شکل
۱۰ کھانا پکانا ۱۱ سر ۱۲ رشتہ ۱۳ نئی عمر کا بچھڑا ۱۴ مکر، فریب ۔

مہادیو کو روس گھٹو نا ئے ۔ وانے پھر طعنو دیؤ ؎

تیرا تین دنا کا قول ہا پچن سب پڑ گا جھوٹھا ..... میرا ری کام کی نا ئے تھنیہ میرا تو سو ٹوٹا !
ہوں آئی تو پچن بھر ہیں تیرو کیسے ڈگوا یاں ..... رہ کر شہر بجار ہیں گورا چھوڈ ھونڈا نے جوان
کھپائی توبی ۔ گورجا رُ ستیا گی اور یا ہے چھوڑ کے پہاڑن منہیں کو چلدی ۔ مہادیو
نے جاتی تو دیکھی اپرمنائی نا بے ؎

گورا ہوں سُو چلی گیل پربت کی پکڑی ...... یا کا دھونا پانی پاس بنیتی ڈورے لکڑی
مہادیو نے جہاں دُھونو جار اکھو ہو وائی کے پئے ای بھیس بدل کے لکڑی بنیتی ڈولتی رہی ۔
بھیس بدلو گھنی اتم بھیلنی کو ۔ مہادیو کی کمجوری کو یا ئے پتو ہوی ؎

یانے پھر و بھیلنی بھیس گورجا بنی روگی ...... اور دیکھ بھیلنی نار ست جب ہو گر جوگی
لنگوٹ کو کچو مہادیو ۔ بھیلنی اتم نار دیکھی تو کیسے ڈٹ جاتو ۔ کہن لگو ؎

یا پربت کیلاش ہیں اب تو کیں آگئی کہن جائے ..... تو ئے پربت کی رانی کروں جے تو میری پوری کر امنگائے
بھیلنی مست جوگی کا ہیں لکھائی اور بولی ؎

تیری کیسے پوری کروں سگلا بات کچھ دیکھے بودی ...... تین لوکھ کو نا تھ بنا دیو ہر نے مودی
تیرے ناگ لپٹیا کھار ہا سر پہ د یکھے بھبکٹ ...... تیرو کیں دل لپٹے سنکرا موئے تو رہو بھیلنی دیکھ
مہادیو پہ کدڈ تو جاوے ہو ۔ او تو مست ہو یو پڑو ہو ۔ اور پھر بڈھا پا ہیں آدمی اور
بھی گھنو حرمی ہو جاوے ہے ؎

ہوں ہیں تین لوکھ کو ناتھ لوگ میں نا ئے آناری ...... تو کو کدی نہ دیسوں بیٹھ چلاں جے میری نار ٹی
تیرے کی اُدپر نار استری گھر کی تارٹی
تو کو رُوپ دیو کرتا رنے ہر نے دیو سروپ ...... تیرا سر کی ناہی گورجا تو تو اتنی گھنی ملوک

لہ محبت ؎ عقد کرے ہو گئے ؎ طرف ؎ لکڑی ؎ چنتی پھرے ؎ دیکھ
ؔ کمسند ؎ مالک ؎ بلے جلے جوگیا نہ بال ؎ دو ڑادی

بھیلنی تو یا کا دل بھینتر کا چور بے پائی پڑی ہے۔ کہن لگی ۔ ؎

سُن شنکر میری بات بھید ایک صحیح بتایو ...... مو بے رہو بھیلنی دیکھ جیئو تیرو کیس للچایو

میں داجی بھرتار کی مو میں نائے غرور ...... میں تو تیرے جب چلوں تو کرا بھیک کو دور

کہاوت ہے کہ " بلی کا چھلن تے پن میسر ہی جانے " مہادیو بھی اپنا نشہ میں

وھت ۔ بے سُوچے سمجھے کہن لگو ؎

یہ رے لٹ کترنی مت کر سوتح بچار ...... میں نے بھیک بلی آگے کر دیائے اپنے ہاتھ آتار

بھیلنی اپنا شکار اے قابو کر کے اور بھی بھارا مل بن گی ؎

مو پہ نہ آوے سونڈ تے پائے تو موڑ نے اپنے ہاتھ ...... بھیک اتار و شنکر اجادنا کرے بھیلنی بات

جب بھیک اتر وا دیو تو مہادیو سو کہن لگی ؎

سُن شنکر میری بات بھید ایک صحیح بتا دے ...... تیری کیسی گورا نار و اے تو ہیں دکھا دے

سُنیو شنکر باورا چلوں جو تیرے لار ! ...... میں تو تیرے جب چلوں جب گور دکھا دانار

مہادیو بولو تینے بھی اچھی کہی ۔ وائے تو ابھی دکھ دوں گو ۔ اپر تو چلی مت جایو ۔ وائے یکی

کر کے کہن لگو ؎

یا پربت کیلاش میں بڑے بڑے پا کھان ...... میرا تو کراتے بیل کی نوکری تو کو گور دکھاؤں یہاں

تمین تو کہن کو ناتھ ۔ بھیلنی بٹھائی بیل کی رکھوالی پہ اور چل دیو گور جاے منان کو ؎

کھینچا جبھے تاؤ جیسی دھرتی ہٹ پائی ...... گورا روپ سروپ باغ میں یا سو میلے آئی

دروا جے گورا کھڑی مہادیو لیو دیکھ ...... میں تجھے پوچھوں شنکرا تینے کہاں گنوا لیو بھیک

مہادیو، گورا نے بکان لگو ؎

میری سب ناڑین کو جوش ناڑ کی کری بچالی ...... میں نے بھیک دیئی اتار گور جا وا کی گھالی

بوجھ بمن پہ نال چلو میں نے یا بد دیئو اتار ...... بوں بڑے بڑے مُن زِرجا گورا چل بچارے لار

اندھ ۔ نادار ۔ تیجا ۔ طاقت ۔ درشن ۔ جس دن ۔ ساتھ ۔ بھگانے ۔ اس کی خاطر ۔ بالکا

گرجا نے اصل بھید کھول دیئو ہے

میں چلے ہی تیرے لار چھوڑ گو تو ہی ٹھاڈو ..... تو گو ملی بھیلنی نار جبو تو واکو لاڈو

یہ سے شاکتری ہاتھ میں اتنے داویں لیئے پہچان ...... تینے میرو من چھلو میں نے تیری کری پتیاہان

مہادیو میت کہتیا تو ہویو اور پھر گورجا سو کہن لگو کر تو اچھی کدی بھی ناہی ہے

تینے بھسماگر سو کہی مانگ ہے چھوڑ و پیارے ...... مو پہ مہر ہوئی جگدیش کشن جب آن سنوارے

میں بھگ کر بڑو گھپاہ میں میری ہر نے راکھی ٹیک ...... سنو گورجا باؤلی بین نے سب ستت راکھو ہے دیکھ

شاعر گر ایک حقیقت

کیا تریا کی جات لاکھ چاہے یا کو سینچو ...... سیتا چھوڑ و کیا رام جب جھانکو نیچو

ارجن نیل سنیل بھگت ہو سب سُو اونچو ..... واکی کہا دروپد نار جیر کیچک نے کھینچو

مہادیو کے ساتھ کری گورا نے اوچھی ...... شکر تین لوک کو ناتھ نٹے بھسماگر سوچی

بھسماگر بھسم کیا بھگوان نے راون کیچک گیر مار ...... مرگا تینو تریا کا طوفان سو یاکو مت کریو اعتبار

جواب شاعر

غلطی مہادیو نے کری ہاتھ دھوناہیں دینا ..... گورا کو کیا دوش بنا بھسماگر لینا

سیتا سُنت پری بابر کو بھیج لائی ...... واسو راون دھو کو کرو بنا ماکھی چپکائی

صحیح دروپد نار بیٹ میں بی ستندر کیچک نے مستی کری بلا ہے ہوا اپنے منڈ

مہادیو کی جھونٹ ہے گورا کی صحیح تمام

یہ تینوں مرگا عشق پہ ان سے نوں خلق کریگی بدنام

ہاتھی اہل مست ہو جائے پھر ججوبن اجانو .... تُرت کھائے پچھاڑ گنے نہ ای بھی ناطو

من مارے لاسے لگے ہے جگ جائے جیت ..... ہے جو تورو سو دھ کے مت کریو تریا پر تیت

لہ مجبور ۲ غار ۳ عزت ۴ ایمان ۵ ذات ۶ اعتبار ۷ قصور ۸ بھیک ۹ کھنی ۱۰ چنا ۱۱ آزمائش کرنا ۱۲ ناطہ ۱۳ سوچ کے

شاہ جمال

یہ کہانی جو میوات کے دیہات میں بے حد مقبول ہے مجھے منہالہ کلاں تحصیل و ضلع لاہور کے حسن محمد عرف گیڈرہ سے ملی۔ دوسرا مکمل نسخہ کہیں سے بھی دستیاب نہ ہو سکا۔ چیدہ چیدہ دوہے مل سکے لیکن پوری کہانی نہیں ملی۔ حسن محمد کے والد نبی خاں مرحوم، میواتی زبان کے ایک عمدہ شاعر تھے لیکن ان پڑھ۔ وہ اپنا سارا کلام ساتھ لے کر منوں مٹی کے نیچے چلے گئے۔ حسن محمد نے باپ سے سنی ہوئی داستان کو یاد رکھا اور مجھے بہم پہنچایا۔

حسن محمد صاحب تھوڑے بہت پڑھے لکھے ہیں۔ بہت ذہین لیکن اب اُن کا ذوق میواتی ادب نہیں۔ اُن پر مذہبی رنگ چھا چکا ہے۔ ان کی سابقہ سکونت موضع ڈھلم کی تحصیل نوح ضلع گوڑگانوں میں تھی۔

موضع منہالہ کے سکونتی چوہدری الف دین میو اور سلیمان نے بھی کہانی ہذا کا کچھ حصہ مجھے لکھایا ہے۔ جس سے اس کی تصحیح میں بہت مدد ملی۔ رنگ لال رنگریز سکونتی نوح ضلع گوڑگاؤں کی تخلیق ہے۔ (مؤلف)

شاہ جمال کی دس بادشاہت تھیں۔ نو دنیاوی اور ایک دینوی۔ دنیاوی زندگی سے جی بھر گیا تو ترک دنیا کی اور بادشاہت کو لات مار دینوی شہنشاہت (فقیری) کا دامن سنبھال لیا۔ جنگل اجاڑ، ناموافق موسم، بیابان جنگل کی مہیب کالی راتیں۔ انہوں نے سب ہی مشکلات کا مقابلہ تو کیا لیکن آتشِ شکم کو نہ بجھا سکے ؎

مَنت ہور بَن میں پھرے دیکھو یہ قدرت کا خیال ..... آگ لگی بگداد میں بن سو بگدو شاہ جمال

شہر میں واپس آ گئے۔ شہر بھی دھلی۔ گرتے پڑتے بھوک سے نڈھال ایک تیلی کے جھونپڑے پر پہنچ گئے جو کولہو چلا، تیل نکالنے پر ہی مطمئن تھا اُس نے ایک فقیر کو سامنے دیکھا تو کہا ؎

تیلی میری جات ہے تو سو راجہ کہوں ک امیر ...... گھر گھر دوارے کیں پھر اجیلو کچھ کے کھانے فقیر

اور پھر ایک پیش کش بھی کی ؎

تیلی میری جات ہے میرے سب سمپت کے ٹھاٹھ
سُنیو پیر فقیر جی بیٹھو ہماری لاٹھ

شاہ جمال نے بات مان لی اور تیلی کے ہاں چاکری کر لی ؎

بیٹھ گیو ہے لاٹھ پہ یا نے ہینک دیو ہے بیل
مہر ہوئی جگدیش کی تیلی کو ہویو سوایو تیل

تیلی کے کاروبار میں برکت ہی برکت۔ درویش کی دعا کا اثر۔

بادشاہِ وقت، وزیر اور ایک ساہوکار کی دوستی تھی ساہوکار کی بیوی حسن وجمال میں بے مثال۔ وزیر اور بادشاہ اُس کے درشن کے متلاشی۔ ایک دن ساہوکار بھی ساتھ تھا تینوں کا گزر ایک تالاب کے پاس سے ہوا۔ بادشاہ کو تالاب سے بھاپ اٹھتی نظر پڑی۔ بادشاہ نے سبب پوچھا۔ ساہوکار خاموش، البتہ وزیر نے بتایا ؎

یہ ہاں برن پریم کا اور روپا کا جاپ ...... اُوترِ یا منجن کر گئی یا میں، یا پہ اُٹھ گئی بھاپ

بادشاہ تو پہلے ہی دیدار چاہتا تھا۔ وزیر کی یہ بات اُسے اور کھا گئی۔ وزیر نے بادشاہی عصا ہاتھ میں لیا۔ اور بہت دور پھینک دیا۔ پھر ساہوکار سے لانے کی التجا کی۔ جب وہ عصا لینے چلا گیا۔ تو وزیر نے بادشاہ کو بتایا کہ تالاب میں نہانے والی اِسی ساہوکار کی بیوی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ اِس کی ہی بیوی ہے وزیر نے بتایا کہ ایک دن میں اکیلا یہاں سے گزر رہا تھا۔ اور ساہوکارنی غسل کر رہی تھی۔

میں نے اُسے دیکھا تو اُس نے اپنا جسم پانی میں چھپا لیا۔ میں نے اُس سے اجنبی بن کے
شہر کا راستہ پوچھا ؎

جل سُو تو جوبن ڈھکو سیتل کر لی چھانہہ
ہم کو گیل بتلائے دے گوری اونچی کر کے بانہہ

تو اُس نے بڑے پُر لطف انداز میں جواب دیا ؎

سُولا سُولا رُوکھڑا گہری ان کی چھانہہ
رستو ہوں کے جائیگو میری دو کھاں دونوں بانہہ

اب تو شاہانہ اشتیاقِ دید اور بھی بڑھا۔ ساہوکار سے بادشاہ نے کہا ؎

ڈھکا ساہوکار کا تو سُو کام پڑو ہے آج ...... دریاوں کے پار سو میوہ کی بھر کے لادے جہاج

وزیر کی شرارت پر ساہوکار کو شک تو پڑ گیا۔ گھر آیا۔ کچھ پریشان سا تھا۔ اُس
کی بیوی نے پوچھا ؎

کیسے تو ان منو سو سا تبا جیسے جل بن مین ...... کر کائی او چھانے دیئو بولنو کوئی کیڑی ملی مہیم

ساہوکار نے اُس کو بادشاہ کے حکم کے متعلق بتا دیا۔ اور ساتھ ہی کہا کہ تمہاری جدائی میں
کیسے دِن گذاروں گا۔ ساہوکار زادی جہاں حُسن کی دولت سے مالا مال تھی وہاں قدرت
نے اُسے عقل اور شرم و حیا کے لازوال خزانے سے بھی معمور کر دیا تھا۔ اُس نے
خاوند کو جدائی کی گھڑیاں برداشت کر لینے کی تلقین کی۔ اور ساتھ ہی کپور کی ایک ڈبیا بھ
کر اُس کے حوالے کر دی۔ یہ بھی بتا دیا کہ اگر خدانخواستہ میرا دامنِ عصمت داغدار ہو گیا
تو اُس میں کپور کی بجائے نمک پڑ جائے گا۔
ساہوکار اپنے سفر پر مطمئن ہو کر روانہ ہو گیا۔
بادشاہ اور وزیر تو تاک میں تھے۔ سورج غروب ہوا تو ساہوکار زادی کے دیدار کو چل

۱؎ افسردہ، غمگین، اداس ۲؎ جہاز ۳؎ سخت ۔

پڑے راستے میں اُسی تیلی کا گھر پڑتا تھا - شاہ جمال کولھو پہ بیٹھے کہہ رہے تھے ؎

جادِن جملا جنمیو لکھ دی دس وِس یاں .... مَو پے تو اب ایک ہے وے تو گئی کہاں

دونوں اپنی دُھن میں مست تھے - شاہ جمال کی بات تو سُنی مگر چلتے رہے - بادشاہ نے اتنا کیا کہ ایک تحریر " نو کیا ؟ دس کیا ؟ رہی کیا ؟ گئی کیا ؟ " اپنی جیب میں ڈال لی اور تیلی کے گھر کا پتہ بھی ذہن میں رکھا -

جب ساہوکار کی رہائش گاہ پہ پہنچے تو وہاں طوطا اور مینا بیدار تھے - مینا نے طوطے سے کہا ؎

طوطا سُو مینا کہے سُنیو ایک قصہ .... جن کی نگری ہم رہاں تے ہمارے محل دھسا

بادشاہ اور وزیر سُن پائے لیکن چُپ ہی رہے - البتہ طوطے نے جواب دیا ؎

مینا سُو طوطا کہے سُن رے کان لگائے .... سنگھ گئے شکار کو ہیں سیر کرت ہاں شیال

طوطے اور مینا کی گفتگو نے بادشاہ کا غرور خاک میں تو ملا دیا لیکن " عشق نجانے ذات کذات " کے مصداق وہ دونوں محل کے اندر داخل ہو گئے - دیکھا تو حسینہ چہرہ کو ڈھانپے مدہوشی کی نیند سو رہی ہے - سراپا سامنے - وزیر نے تعریف کی ؎

کوئل کنٹھ بین سُر تا کے بولت بھے آنند .... اُچرج دیکھو بادشاہ آج تو محلن بھئیتر چند

بادشاہ نے کہا کہ ابھی تعریف نامکمل ہے - اُس کے پورے جسم پر نگاہ ڈال کر بولا ؎

سِر چڑنتا بکرتی چپا بے ناگر پان .... سو ہے سیگ بتیس کھڑ یاکے تو تھن تیرے کان

حُسن و جمال کی اس حسینہ پر انتہا ہے بادشاہ نے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا ابھی وہ اُس کے جسم کو چھونے والا ہی تھا کہ ساہوکار زادی کی آنکھ کھل گئی - وہ پلنگ سے کود اپنی جیری باندیوں کے پاس جا پہنچی اور گھبرائی ہوئی کہنے لگی ؎

اُونڈو گر جو دُوریو ، اگھاڑ آیو گاج .... جو اُوڈیا بھری کپور کی واہیں لنک پر ہو آج

ا جمال ۲ جنم لیا ۳ لگاکے ۴ گیدڑ ۵ گلا ۶ جس کے ۷ بولنے ۸ آرام ۹ اندر ۱۰ چوٹی ۱۱ چرنے والی ۱۲ حیرانی ۱۳ بکری ۱۴ ڈالی ۱۵ پتے ۱۶ گہرا ۱۷ بادل ۱۸ گرجے ۱۹ شیر

باندی بھی حیران و پریشان، اور کفِ افسوس مل کر بولیں سے
باڑ کری ہی کھیت کو کھیت باڑ کو کھائے ...... راجہ ہو چوری کرے پا کو نیاؤ کون گھر جائے
ساہوکار زادی عقلمند تھی۔ اُس نے بادشاہ کو اس کی مذموم حرکت پر سرزنش کرنا چاہی
ویسے اُسے احساس بھی تھا کہ وہ بادشاہ کی رعایا میں ہے۔ چنانچہ ایک گرم اور دوسرا ٹھنڈے
پانی کا لوٹا لے کر بادشاہ کے پاس جا پہنچی، وہ پلنگ پر بیٹھا تھا۔ ساہوکار زادی بولی سے
ساہوکار تو گھر نہیں وے تو گئے پردیس ...... کہا مطلب[1] آئے ہو پتاجی پانی پیو نریس
تھا تو عشق میں وحشت لیکن پتاجی کا لفظ سنتے ہی سارا نشہ کافور ہو گیا۔ ہوش و حواس
تک برقرار نہ رہے شرم و ندامت کے پسینے اُس کی پیشانی پر نمودار تھے۔ اسی کرب و بے چینی
میں اُس کی شاہی انگوٹھی بستر پر گر پڑی۔ وہ تو واپس آ گئے اور عورت نے بغیر دیکھے بھالے
بستر لپیٹ دیا۔

بادشاہ اُدھر سے مایوس ہوا تو اُس نے کوٹھے پر بیٹھے ہوئے آدمی کی رٹ پر غور کرنا
شروع کیا۔ "نو کیا، دس کیا، ہیچ کیا، گی کیا" اُس نے تیلی کے گھر کا پتہ بتا کر ہرکارہ بھیجا
کہ اُس آدمی کو لاؤ لیکن درویش نہ آیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اگر بخوشی نہ آئے تو زبردستی لاؤ۔
درویش آ تو گیا مگر بھرے دربار میں بادشاہ کے برابر جا بیٹھا۔ بادشاہ نے ناگواری کا اظہار کیا
مگر مصلحتاً خاموش رہا۔

بادشاہ نے پوچھا کہ "نو کیا، دس کیا" کا مطلب کیا ہے۔ شاہ جمال نے بتایا تو اور دس
تو اُنیس ہوتے ہیں۔ اور اس حقیقت سے ساری دُنیا واقف ہے۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ یہ ٹال
مٹول سے کام لے رہا ہے۔ درویش پر شاہی عتاب نازل ہوا۔
مست ہاتھی کو شراب پلا کر نشہ میں وحشت کر کے درویش کو اُس کے آگے پھنکوا دیا
مگر بجائے روندڈالنے کے ہاتھی نے شاہ جمال کے قدموں میں احتراماً سونڈ ٹیک دی۔

---

[1] مطلب

درویش نے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ؎

اِت بن پت، اِت چھتر پت دو کمن بیچ میں لال.... تیرو دل جا ہے سو کیجیو بادشاہ اب شہ کہے جمال

بادشاہ نے اس کی ہٹ دھرمی دیکھی تو اُسے آزاد کر کے پوچھنا چاہا لیکن درویش نے نہیں بتایا۔ تنگ آکر بادشاہ نے پھانسی کا حکم دیدیا اور سارے شہر میں مُنادی کرادی عوام جوق در جوق تماشہ دیکھنے کے لئے اُمڈ پڑے۔ شاہ جمال نے بے فکری سے دیکھا اور کہا ؎

کوئیلیا[1] کرت رہی[2] کرتت[3] پپیا پییو ..... سارو شہر تماشے لگ رہیو آج تیرو چلو جمالا جییو

اللہ کا بندہ۔ اُس کو پھانسی گز نہ کہاں پہنچا سکتی تھی۔ تین دفعہ تختہ دار پر چڑھایا تینوں مرتبہ ہی پھانسی خود بخود ٹوٹ گئی۔ آخر نیچے اُتار لیا۔ بادشاہ بھی پوچھنا ہی چاہتا تھا۔ جب کوئی بھی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو اُس نے سونے چاندی کی بارش برسوائی۔ تاکہ اِسی لالچ سے وہ بتا دے۔ لیکن وہ بھی دھن کا پکا۔ دانت بھینچ گودڑی اوڑھ کر بیٹھ گیا۔ دُنیا مالا مال ہو گئی لیکن یہ مست اب بھی خالی ہاتھ۔ جب ساری کارروائی ہو چکی تو اپنی منزل کی طرف روانہ ہونے لگا۔ بادشاہ نے بھاگ کر ہاتھ پکڑ لیا اور قدموں میں گر پڑا۔ اس عاجزی کو دیکھ کر شاہ جمال نے حقیقت واضح کر دی کہ" میں بھی بادشاہ ہوں۔ تو بادشاہت دنیاوی اور ایک دینوی۔ میں نے سب کو لات ماری اور دینی حکومت (فقیری) سنبھال لی ہے۔

اب بادشاہ کو پتہ چلا کہ جو کرسی پہ برابر آ بیٹھا تھا اُس کی وجہ کیا تھی؟ دونوں تنہائی میں جا بیٹھے۔ شاہ جمال نے کہا کہ ساہوکار زادی کا درشن کرنے گئے۔ یہ حکمرانی کی تذلیل تھی۔ اپنا وقار بہرکیف بحال رکھتے۔ اگر اتنے ہی متوالے ہو گئے ہو تو میں درشن کراؤں مجھے دیکھتے رہنا۔ جس دن میں خراب کی بیٹیوں کے پاس جاؤں۔ خاموشی سے آ دیکھنا۔

---

[1] کوئل [2] تڑپ رہی [3] کرتی ہے [4] جان، روح

اِس گفتگو کے بعد شاہ جمال نے ساہوکار زادی کے محل کے پاس ڈیرہ ڈال دیا۔ ایک دن خود مرجبیں پانی لانے کے لئے باہر نکلی، گاگر سر پہ تھی۔ شاہ جمال راستہ روک کر کہنے لگا ؎

سر پہ تو گاگر دھری دیکھی سُندر حدُف کمال ...... مکھ سوا چہرہ دور کر تیرا درشن کرے جمال

وہ تو خاموش رہی البتہ نتھ میں لٹکتے ہوئے موتی نے کہا ؎

پاکا سر پہ تو گاگر دھری چلے گیند گت چال ..... تو سو مکھ سُندر بولی نہیں دیکھی تیری تھوتھی پیت جمال

شاہ جمال نے موتی کو جواب دیا ؎

تینے سیپ سمند کو چھوڑ کر بیتے کرا یو شال ...... ادھر ہمب لٹکت پھرا تجھے پوچھے شاہ جمال

یہ جواب موتی نے سُنا تو انتہائی افسردہ ہوا۔ موتی کی اُداسی دیکھکر ساہوکار زادی نے کہا ؎

تو کیسے اَن منو تو ہے میں رکھوں نتھ کے بیچ ...... پیا ما تے ایک ہی موتی تو مانا بر بسیس

اب موتی کی بھی ڈھارس بندھی اُس نے فخریہ لہجے میں کہا ؎

میں نے سیپ سمند کو چھوڑ کے بیتے کرا یو سال ...... اِن رو ڈھن کے کان نے میں لٹکو پھروں جمال

فقیر راستہ روکے ہی کھڑا رہا تو عورت بولی ؎

سُنیو پیر فقیر جی مت بولا بھاری ...... کے تو رستہ چھوڑ دے نہیں میں پھوڑونگی جھاری

وہ اب بھی نہ ہٹا تو عورت کہنے لگی ؎

سر پہ تو گاگر دھری سُنیو شاہ جی ...... رستو میرو چھوڑ دے میری کمر دُوکھ باجی

فقیر ٹس سے مس نہ ہوا تو ساہوکار زادی تنگ آکر کہنے لگی ؎

باجارن سو داگمنا، ہاٹن گھمنت دلال ...... شاہ مال بیچے نہیں کیں تو جوری کرا جمال

اور وہ راستہ بدل کر چل پڑی۔ لیکن جمال نے اب بھی راستہ روکا تو عورت کھسیانی سی ہو کر فقیر کو "در در چنڈرا" (در در کا بھکاری) کہا۔ شاہ جمال سُنتے ہی غیض و غضب میں بھر گیا

۱ہ بہ مد ہ گمگو گمٹ ۲ہ گیند کی طرح ۳ہ کیچ ۴ہ سونا ۵ہ پیار کرے ۶ہ بار دفعہ ۷ہ ہونٹ ۸ہ برتن ۹ہ دکھ لگی ۱۰ہ ز...

سونٹا اٹھایا اور پھر رکھدیا کہ عورت ذات تھی البتہ راستہ چھوڑ دیا ۔ اور عورت سے "پھٹ رنڈی" کہدیا۔ شریف زادی تھی یہی گالی کافی تھی ۔ وہیں سے واپس ہوگئی اور گھر پہنچ کر نڈھال ہوکر پلنگ پر گر پڑی ۔ درویش کی ساری کارکردگی آنکھوں کے سامنے گھوم گئی ۔ اُسے رہ رہ کے یہ بات ستانے لگی کہ فقیر کو گالی کیوں دی ۔ یہ سوچ بڑھتی ہی رہی آخر ہر چہ بادا باد کے مصداق گھر سے نکل شاہ جمال کی تلاش میں چل پڑی ۔ عہ

جملا ڈھونڈن میں چلی پہنچی واہر یاکے کی تال ..... ہریاکے تو سو کہوں کہیں تینے دیکھو شاہ جمال

وہ بے حال تھی ۔ نہ لباس کی پرواہ اور نہ اپنے حُسن کا احساس، ہریا کا عشق جتانے لگا

لٹا سنوار و باوری کیا بیکل بھئی ہے توئے ..... تیری لٹا چھٹک ناگن بنی ڈسی جات ہاں مجھے

تو اُس نے جواباً کہا ۔

سُن رے چھورا باورا کیا پڑی ہے توئے ..... جے میری لٹا چھٹک ناگن بنی تو لپٹ رہیں گی مجھے

تسلی بخش جواب نہ سُن پا کر وہ آگے بڑھی اور گندھی کی دوکان پہ پہنچی، گندھی کا جوان بیٹا بیٹھا ہوا تھا اُس سے شاہ جمال کے بارے میں پوچھا ۔

جملا ویکھن میں چلی پہنچی گندھی کے کی تال ..... گندھی کے تو سو کہوں کہیں تینے دیکھو شاہ جمال

اُس کی حالت زار اور پریشانی پر رحم کھا کر لڑکے نے بتایا کہ شاہ جی نے شاہی بھٹیوں کے پاس ڈیرہ جما رکھا ہے ۔ جا کر دیکھا تو واقعی شاہ جمال زمانہ سے بے خبر لیٹا ہوا ہے ۔ عورت کہنے لگی ۔

میں بوتل بے جا جرے ہوئی لیٹی کھڑی کباب ..... اب تو میری بھی کچھ سدھ کر کہا تینے پی لی گھنی شراب

فقیر چپ رہا تو عورت پھر کہنے لگی ۔

میں تن کی تو بوٹی کروں من کا کروں کباب ..... نینن کا پیالہ کروں تو بھر بھر پیئے نا جمال ۔

لہ ایک بری گالی کہ پنساری تہ عطار

درویش عالمِ مستی ہی میں رہا تو عورت کی بے چینی انتہا کو پہنچ گئی۔ پھر کہا ؎

میر د تو پوس کا ڑھ کے کھینچ لے تری زنگا لے کھال ...... تیرا پاؤں کے لپٹی رہوں تیری جوڑتی ہوں جمال

یہ منّت سماجت کی آخری حد تھی۔ پریشانی کے عالم میں اور بھی زیادہ بدحال دکھائی دے رہی تھی۔ وہ حسن و جمال مفقود تھا۔ شاہ جمال بول اٹھا ؎

انکھن سو تو چیڑی دیکھی صورت کی بے حال ...... ایسے بگڑے مال کو گاہک نہیں جمال

درویش نے دھتکار دیا۔ اب "دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا" کے مصداق روتی دھوتی واپس ہونے لگی۔ شاہ جمال کو دِل آزاری منظور نہ تھی۔ وہ کھڑا ہوا اور دستِ شفقت اُس کے سر پر پھیر کر کہا ؎

تینے تو سو دُر جنڈا کئی بر کبھی میرو بانکو بیو نہ بال ...... میں نے تو سو پھٹ رنڈی ایک بر کبھی تو جیا جال ہی جال

جو کچھ ہوا سو ہوا۔ تو میری بیٹی ہے خدا تجھے ایمان کی دولت دے۔ اور تیری عصمت کی پاسداری کرے۔

بادشاہ بھی خاموشی سے ساری ماجرا دیکھتا رہا۔

فقیر کی دعائیں لے کر ساہوکار زادی مطمئن ہو کر گھر واپس آئی۔ اسی اثنا میں اُس کا خاوند بھی لوٹ چکا تھا۔ بیوی کی عدم موجودگی میں اُس نے وہی بستر پلنگ پر بچھایا جس پر بادشاہ آکر بیٹھا تھا۔ تو اُس میں شاہی انگشتری پڑی ملی۔ ساہوکار کو اپنی بیوی کے بدچلنی کا حتمی یقین ہو گیا۔ غصہ اور پریشانی کے عالم میں گھر سے نکل گیا۔ بادشاہ اور وزیر سے بھی نہ ملا۔ اُسے وزیر کی خباثت اور بادشاہ کی اُس کے گھر آمد نہایت ناگوار گذری۔

بیوی واپس ہوئی تو وہی سیج بھی دیکھی اور اُس پر پڑی انگوٹھی بھی۔ ساہوکار کی آمد اور غصہ میں گھر سے چلے جانے کی بھی خبر ملی۔ اب ساری کہانی آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔ مگر وہ بے گناہ تھی۔ اب بے گناہی کو ثابت کرنے کا مرحلہ تھا۔ وہ بہت پریشان ہوئی اور عالمِ پریشانی میں باپ کو خط لکھا ؎

نہ جوتی نہ میکا -

چٹھی لکھوں چتیروال سُنیو پتا ہلاس ...... جا شے سو کنچن گلے او شے نامے ہمارے پاس

خاوند کی ناراضگی کی اطلاع باپ کو دی۔
ساہوکارزادی کی ماں فوت ہو چکی تھی۔ سوتیلی ماں کو اُس کی پریشانی سے کیا ہے گئی۔ خاوند کو بھی بیٹی کی مدد کے لئے جانے سے روکا۔ اُسے تو سوتیلی بیٹی سے خدا واسطے کا بیر تھا۔

ساہوکار سے کہا ؎
سو شہر سے بانیا دِلّی کو مت جائے ...... جے بیٹی میں گُن ہوں گا واکو پی بسر بگو نائے
بیوی کی بات کو کیسے ٹالتا۔ باپ رُک گیا۔ بیٹی نے پھر پیغامبر بھجوایا اور ساتھ ہی قاصد سے یہ کہہ دیا کہ "تمہارے واپس آنے تک روز کا روپیہ ادا کروں گی۔ جب تک پتاجی نہ آئیں تو بھی مت آنا" خط میں لکھا ؎
چٹھی لکھوں چتیروال سُنیو پتا حوال ...... چھلی بھائی رنگ چڑھا پیچھے کیا کرا گو آر
قوم بنیا۔ سُن پایا کہ روپیہ روز کا خرچہ ہوگا۔ ساری رات نیند نہ آئی۔ بیٹی کا خرچہ تو کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ بنیئے کے لئے تو دونوں باتیں پریشان کن تھیں۔

چلنے کی تیاری کر لی۔
آرام طلب۔ پالکی میں بیٹھ گیا۔ کہار اٹھائے ہوئے۔ ہر قیام پر اُس کے پاؤں بھی دباتے۔ ایک گاؤں سے گزر ہوا۔ ایک عورت نے یہ عجیب تماشہ دیکھا تو پوچھ ہی لیا ؎
بیٹھ گیو سُکھ پالکی کہار لئے ڈُرنیائے ...... گڑ کو ہار دشاہ جی جا سو اُبر دبائے پائے
بنیا کنجوس تو ہوتا ہی ہے۔ مگر مکر و فریب میں لومڑی کو مات دے دیتا ہے

فوراً ہی بات بنالی ؎
کاشی کر ونت ہم گئے تیرتھ کرے اگھائے ...... ہوں کو بار دھیکی جا سو اُبر دبائے پائے
دہلی پہنچتے ہی بیٹی سے پوری رام کہانی سُنی پھر بادشاہ سے ملاقات کی ساہوکارزادہ کو بھی بلوالیا اور اپنی بیٹی کو بھی۔ وزیر بھی موجود، سب کو چوپڑ کھیلنے بٹھالیا۔ پانسہ ہاتھ میں

ٹھ صحودی تھ کوائے بر کے متھرا کاشی گہ بہت

لیا اور کہا ــــہ

سو بُر بھری تلاؤ[1] وڈی پانی جن کے مِٹھ ...... کہ کارن دھن پرہری یا میں اوگن کایں ڈِٹھ

ساہوکار زادے[2] پوچھا اُس نے پانسا ہاتھ میں لیتے ہی اپنی بپتا کہہ سُنائی ــــہ

جن وٹنڈی[3] کہر گئے چھاگی گندمناں ...... وے تن توُہی سو کتے ناں پُگتے ہرناں

بادشاہ کے دل میں تو چور تھا صفائی دینا پڑی ــــہ

کہر گئے تو سیچ گئے ہُوں سے آئے ہٹ ...... پتا پتا کرتی رہی مہارے پانی لگو نہ بہت

وزیر کی باری چوپڑ کے لئے نہ تھی۔ ساہوکار زادی کے ہاتھ پانسا لگا اور اُس نے کہا ــــہ

کہر گئیس[4]، بھجنگ من، سرنا ہی سورا[5] ...... کوڑی کھیت، کرپ دھن یہ مل سے نا ملا

خاوند سے مخاطب ہو کر بولی، کافور کی ڈبیا کو دیکھا بھی۔ میری عصمت کی گواہی اُسی سے لے لیتے، ڈبیا کھولی گئی تو صحیح حالت میں تھی۔ خاوند نے اپنی بیوی سے اَنہوئی تہمت پر معافی مانگی۔ بادشاہ اور وزیر، ساہوکار اور اُس کی بیٹی، داماد سب مل کر شاہ جمال کے پاس پہنچے۔ سب کو اکھٹے دیکھکر وہ بہت خوش ہوئے اور دُعائیں دیکر رخصت کر دیا ــــہ

دِیا بند درویش کو رہیو ہنس بحال

قصو شاہ جمال کو جاکے صفت کرے رنگ لال

---

[1] چھوٹا تالاب [2] شیر [3] خیرکا بال [4] اصلی ناگ سے مں [5] صورما نے اگر پناہ دی ہو

موُنجیا بالیسری

"مُونجیا بالیسری" کی بات میوات میں بے حد مقبول ہے

اس میں کافی دوہے انتہائی سبق آموز ہیں۔

جُدائی کا مضمون بھی دلکش انداز میں بیان ہوا ہے۔

یہ کہانی مجھے چوہدری ڈھولو دہنگل میو (مسیت والا)

سے ملی ہے۔ انہوں نے اپنے مخصوص طریقے پر مجھے سُنایا

اور پھر لکھایا۔ چوہدری ڈھولو عُمر کے لحاظ سے ضعیف ہیں لیکن

ذہنی لحاظ سے آج بھی جوان ہیں۔ میواتی شاعری پر

انہیں اُستادانہ مہارت حاصل ہے۔

اس کہانی کا بیشتر حصّہ جناب سردار خاں بدرپوری

اور یلیسن خاں باگھوڑوی نے چوہدری ڈھولو سے لکھا

اور مجھے بہم پہنچایا۔

میں نے بیحد کوشش کی کہ کہیں سے دوسرا نسخہ بھی

دستیاب ہوسکے لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ سونے آملیں میں چوہدری

"نکولی خاں" میو سابقہ سکونت موضع گوُمڑہ تحصیل لچھمن گڑھ

ریاست الور کی رہائش پر ایک میراثی سے ملاقات ہوئی۔ اُس سے کچھ لکھنے

کی کوشش کی لیکن اس میراثی نے انتہائی چالاکی

کا مظاہرہ کیا اور غلط سلط دوہے لکھانے لگا۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ یہ شخص

کہانی ہے لکھانے میں سے سنجیدہ نہیں ہے وہ نامکمل ہے
لنسخہ کسی کام نہ آسکا۔ (مؤلف)

"مونجیا بالیسری" راجپوت پدھارنگری کا راجہ تھا۔ اُس کے پاس دنیا کی ہر نعمت موجود تھی لیکن "عراقی گھوڑا" نہ تھا۔ اُسے یہ فکر دامن گیر رہتی تھی۔ ایک دن اُس کی رانی نے بھی یہی طعنہ دیا اور اُس کے لئے رانی کا بول ناقابل برداشت ہو گیا۔ راجپوتی شان تھی سے
اُدھم کر کچھ لاؤ دھن چلالا کر یو کنتھ ...... گھر تو چڑھوں لاکھ کو پیا میرا تو گج ہستی میمنت
مونجیا بالیسری کو یہ بات کھا گئی اور ہر وقت اس بول کی کسک محسوس کرتا تھا سے
گیا تھی لاگی بول کی لگی کلیجے پھانس ...... یا نگری ناں ان جھکاں ہم کہاں گئو کو مانس
اُس نے قسم کھالی کہ شرط پوری کر کے رہوں گا۔ اگر نہ ہو سکا تو اُس شہر میں کھانا پینا حرام۔ صبح ہوتے ہی پدھارنگری سے روانہ ہوا۔ اُس کے ساتھ "نائی" چلا جب رانی کو پتہ چلا کہ مونجیا نے سفر کا ارادہ کر لیا ہے تو اپنے کئے پہ بے حد نادم ہوئی۔ اور دوڑ کر مونجیا بالیسری کے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ اور ایک جام صحت پیش کیا سے
سُندر ناری کہہ رہی آنچھر جبا نے دیئے ...... موسگری کا سائیا پیالو تو میرا ہاتھ کو سئے
ٹھاکر نے ان سُنی کر دی اور چلنے پر اصرار کیا تو ٹھکرانی پھر بولی سے
ہاتھ جوڑ آڈے پڑوں بات کروں کر جوڑ ...... موسگری کا سائیا چالو تو تھیاری سے چھوڑ
جب ٹھاکر نہ ہی رُکا تو پھر اُس نے الوداع کہتے ہوئے دُعا دی سے
تو تو چلو بدیس کو تیری جاتے ہی لگ یو ...... گھر لاچڑھیو لاکھ کو کدی تو میری سُدھ کر یو
مونجیا نے بتایا کہ میری واپسی کی ایک ہی شرط ہے اور وہ یہ کہ سے

ل شورش ابا ہے خاوند ہے گھوڑا ہے ہاتھی ہے تیر ہے گوشت ہے حسینہ
ہے جانے دیئے ۹ مجھ جیسی ۱۰ ہاتھ ۱۱ کمزور، گناہ گار۔

باٹ ہماری دیکھیو گوری کھیل ساوَنی نیک ...... اندراچہ برسن لگاں بالی بیجناں بیچ

یہ نامکمل وعدہ ٹھکرانی کے لئے اور بھی پریشان کن تھا ـــ

جب بگڈوں ندساہرک ساوُنی اکھے تیج کوشی بجایو ...... پشکو اور کٹارے سُنگ ہو دھایو

مونجیا روانہ ہوگیا۔ رانی پاؤں کے نشانات دیکھ دیکھ کر رو رہی تھی ـــ

پی پیارا کا کھوج کی میں چُن چُن گو دھروں ...... دوڑوں تو پہنچوں نہیں پڑتے لاج مروں

ابھی وہ پاؤں کے نشانات کو دیکھ دیکھ کر رو رہی تھی کہ پون کا ایک ریلا آیا اور ان نشانات

کو ختم کر گیا۔ تو ٹھکرانی نے اُسے کوسا ـــ

پی کو کھوج پہچانتی میری تو بیرن بال بھئے ...... اٹھی بھبھلی پون کی، اُوپر گگن چھئے

اور پھر آنسو پونچھتی ہوئی بولی ـــ

اُونچے چڑھ کے دیکھتی پیا تو نیڑے گیو گُھس دور ...... جے میں ایسو جانتی ہوتی پیڈ کھجور

جوں جوں مونجیا دُور ہوتا جا رہا تھا۔ یہ ہجر کی ماری توں توں اپنے درد کا مداوا

اِس طرح کر رہی تھی ـــ

جوا کے لگے میرے لگے جا سو ہنوڑے ہوئے ہنوال ...... جِت کو میرو پی گیو اُت کی چلیو باؔل

اور جب کسی طرح چین نہیں آتا تھا تو پھر بین کرتی ـــ

جوا کے لگے میرے لگے جا سو ٹھنڈو ہوئے سریر ...... جِت کو میرو پی گیو اُت کی چلیو رسیر

گھر واپس پہنچی تو اُسے وہ چندن چوکی نظر پڑی جس پر مونجیا اکثر بیٹھا کرتا تھا ـــ

سِل دیکھے ساجن نہیں میرے بگاں کٹاری اگگ ...... جن سِل ساجن بیٹھتا دے پل سدا سُرنگ

مونجیا دونوں ہاتھوں کا ساونت تھا۔ بہادری اور جواں مردی میں بھی بے مثال

لہ برسنے لگے تہ انتظار سے ہند تہوار ہے کم کم کہ شہ بیہ شتوارتہ مُحول اگر دکہ چھاتی تہ بوئی شہ کہ تہ جدھر تہ تھوڑی تھوڑی

ہوا تہ کلیجہ ٹھنڈک ہے تہ ہوا شلہ اچھے رنگ کی تہ ہر انسان کے ہاتھ لٹکنے میں گھٹنوں تک مشکل پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن ساونت

کے ہاتھ گھٹنے ملنے سے نیچے تک پہنچے ہیں۔ انکی لمبائی غیر معمولی ہوتی ہے۔ ساونت ایک ہاتھ کا بھی اور دونوں ہاتھوں کا بھی ہوتا ہے، بہادری میں بے مثال۔

اُس کے پاس پانچ ہزار گنی تھیں۔ نائی کو پہرے دار مقرر کیا۔ آدھی رات کے وقت دیکھا کہ اونٹوں پر سامان جا رہا ہے۔ اُس کو لوٹنے کے لئے ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ لیکن موٹو نجیا سے نہ رہا گیا۔ اور حملہ آوروں کو مار بھگایا ۔

اُو گھنتے ہی چل دیا نے[1] کہ بنگا سوُن[2] ...... چھوڑے تُجھی[3] بھیر تے اِن کو مالک کون

بعد میں اُسے پتہ چل گیا کہ سازو سامان تو اکبر بادشاہ کا ہے ۔ پھر بیدار تشکر آمیز جذبات لئے وہاں سے روانہ ہو گئے ۔

اس جگہ سے میوات دو[4] سو کوس تھی۔ وہاں سے ہو کر " کٹھول گڈھ " پہنچا جہاں کٹھول گڈھ کی راجدھانی تھی " سیین " میں سانگ پنوار حکمرانی کر رہا تھا۔ مونجیا نے سوچا کہ طاقت ور کی بجائے کسی کمزور راجہ کے پاس جانا چاہیئے ۔ تاکہ بُرا وقت اگر اُس راجہ پر آ جائے تو یہ مدد کر سکے۔ اُن دونوں میں سانگ پنوار کمزور تھا۔ نوکری کی خاطر اُسی کے دربار کا رُخ کیا۔ بھیس بدل رکھا تھا ۔ اب راجہ نہیں بلکہ نوکری کا متلاشی بن گیا ۔

بادشاہ کی آنکھ بچا کر ایک کھمبے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ سات ہزار جوان موجود راجہ کا دربار لگا ہوا ۔ اُس نے مجمع پر نظر ڈال کر کہا ۔

میرے سات ہجا چھتری[5] گھومتا اِن میں گھنی گمراہ ...... ایسو چاکر نہ ملے جو لا دے کٹھول گڈھ کی تھاہ[6]

مونجیا کھمبے کی اوٹ سے نکل آ سامنے کھڑا ہوا ۔ اور راجہ سے کہا ۔

مہا کو گھوڑو[7] بو ماند ہو گیو، چالو آیو باٹ ...... نوکر تو جبھی رہوں کٹھول گڈھ کا پھیرا لا دوں آٹھ

اُس نے اپنے گھوڑے کی بیماری کا بتا دیا تھا ۔ اور واضح کر دیا کہ نوکری اُسی وقت قبول کروں گا جب کٹھول گڈھ کے گرد آٹھ بار گھوم آؤں ۔ مونجیا گوت سے چیتھڑ یا راجپوت تھا اُدھر سانگ پنوار کی رانی بھی اُسی گوت کی تھی ۔ یہ تو راجپوتی اصول تھا کہ گوتی مرد بھائی اور عورت بہن " مونجیا کو عراقی گھوڑا مل گیا ۔ اور وہ سوار ہو کٹھول گڈھ کی جانب روانہ ہو گیا ۔

---

[1] دن نکلتے ہی [2] اچھے [3] شگون [4] نیک بختی [5] بہادر [6] خبر [7] ہمارا [8] بیمار

اُس نے اپنا نام بدل کر "بکرُولیا" رکھ لیا تھا۔ اور خط لکھ کر راجہ کو بھجوایا ؎

تیرو ایسو کوئی مان جنو یا کی آدکی دیئے .... آج آدے ہے بکرُولیا تیرا گڑھ کا پھیرا لیئے

یہاں اُس نے اپنی پوری راجپوتی شان دکھائی۔ ہر پھیرا کے بعد وہ ڈنکے کی چوٹ

بجاتا تھا۔ اُدھر کٹھول سنگھ راجہ اپنی طاقت کے نشہ میں چُور تھا۔ اُسے ساتویں ڈنکے پر

احساس ہوا کہ اگر بکرولیا آٹھوں پھیرے پورے کر گیا تو یہ کٹھول گڑھ کی بدنامی کا باعث

ہے۔ لیکن بکرولیا بھی ایک جری راجپوت تھا۔ وہ آٹھواں پھیرا بھی مکمل کر گیا۔

یہ ایک ایسی چوٹ تھی جو کٹھول سنگھ کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ اُس نے

فوراً ہی سانگ پنوار کے نام خط لکھا۔ جس میں بکرولیا کی واپسی کا مطالبہ تھا ؎

سُنیو سانگ پنوار میرا خط کو باچ سنوار .... کے تو پکڑ دیئے رجپوت کو نہیں گڑ کو اوندھو ودنگو مار

سانگ پنوار کو پتہ تھا کہ کٹھول سنگھ بھی ایک ہاتھ کا ساونت ہے۔ اُس کی حربی طاقت

کا بھی اُسے احساس تھا۔ لیکن پناہ یافتہ کو واپس کرنا راجپوتی شان نہیں ؎

میرا سُنیو سُورا ساونت۔ آج کچھ راکھو رائی .... جے پکڑیاں رجپوت جائے ساری ٹھکرائی

کال چڑھا چاہے آج چڑھ یہی ہماری بات .... سُنیو بیر کٹھول سنگھ تو سو ساگن کرنگا ملاپ

چنانچہ دونوں راجدھانیوں میں سخت کشیدگی رُونما ہو گئی۔ دشمنی تو پہلے بھی تھی۔ لیکن

اب اور بڑھ گئی۔ ایک اور سبب نیا پیدا ہوا وہ یہ کہ سانگ پنوار کی رانی "نول باغ" میں

جو دونوں حکومتوں کا مشترک تھا۔ اِسی جھگڑے کے باعث جھولا نہ جھول سکی تھی۔ اب

جھولنا چاہتی تھی۔ اُس نے اپنے گوتی بھائی "بکرولیا" سے اِس خواہش کا اظہار کیا ؎

اُس نے فوراً ہی اپنی بہن کی خواہش کو پورا کرنے کی حامی بھر لی۔ جب اُسے پتہ چلا

کہ رانی چوبیس برس سے جھولا جھولنے کو ترس رہی ہے تو اُس نے باون ہنڈولا

سجوائے اور پوری دھوم دھام سے رانی کو جھولنے کیلئے "نول باغ" بھجوا دیا خود نگہبانی کرنے لگا۔

---

۱ دوک ۲ چوتھو ۳ اُڈیلا ۴ سُورما ۵ ٹھاکرپن ۶ کل

جب اس امر کی اطلاع کنھول سنگھ کو ہوئی تو اُس نے اپنے بھائی راؤ رتن سنگھ کو بھی بھیجا

وہ بھی ایک ہاتھ کا ساونت تھا۔ کنھول سنگھ کی رانی نے بھی چلتے میں کہہ ہی دیا ہے

میرا اُس رے دیور رتن سنگھ تم جیو تسی یا ہاں[1] ...... رانی سانگ پنوار کی آج توڑی نول باغ کی کان[2]

وہ اپنی فوج لے کر نول باغ کی طرف چل پڑا۔ اُس نے اپنے سپاہیوں کو قسم دی ہے

جتنا لشکر ساتھ ہاں سب کی گھڑیے چڑھاں لگام ...... جو کوئی نول باغ پہ نہ چڑھے وا کو کھا نو نمک حرام

چنانچہ اُس فوج نے نول باغ کا محاصرہ کر لیا۔ عورتوں سے وہ کچھ نہ کہنا چاہتے تھے

راجپوت کی دشمنی مرد سے ہوتی ہے، عورتوں سے نہیں۔ وہ نگران کو گرفتار کرنے کی فکر میں تھے ہے

پکڑ کر مت دیجو مار یاہے لا ہو اِت[3] ...... راجہ سانگ پنوار کے داغ لگا یو مت

رتن سنگھ ہاتھی پر سوار تھا۔ بکروليا نے فیصلہ کر لیا کہ صرف رتن سنگھ کو مار لے تو فوج

تو خود ہی پسپا ہو جائے گی ہے

برچھی ایسے باہے[4] جیسے باہی ہاڑا سوَر ...... ایک رتن سنگھ مارے ساری بھگ جائیگی بھک بھور[5]

راجپوت دھوکے سے حملہ نہیں کیا کرتا۔ چنانچہ اُس نے رتن سنگھ کو للکارا اور دونوں

کا مقابلہ ہو گیا ہے

رتن سنگھ بکروليا کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا۔ اور بالآخر کھیت رہا۔ فوج پسپا

ہو بھاگی اور کنھول سنگھ کو خبر پہنچائی ہے

وِلکے[7] ایک آیو ہے بکروليا ہمکو ہوئی نہ چیت[6] ...... نول باغ کا بیچ میں تیرو رہو رتن سنگھ کھیت[8]

بھائی کی موت سے کنھول سنگھ بہت رنجیدہ ہوا۔ فوراً ہی وہاں سے مزید امداد کی خاطر

اپنے پھوپھی زاد بھائیوں کی طرف چل پڑا وہ "گڈھ بوندی" پر حکمرانی کرتے تھے۔ یہ ہاڑا کہلاتے

تھے۔ انہوں نے جب اسے نہایت بدحالی میں دیکھا تو دریافت کیا ہے

سُنیو محبوب کنھول سنگھ کیں تینے کپڑا نکا اُداس ...... کہا بھیٹر[9] تو پے پڑی جا سو آیو ہمارے پاس

---

[1] فائدہ [2] عزت [3] ادھر [4] چلائے [5] فوج [6] اس کے [7] خبر [8] مارا گیا [9] مصیبت، بپتا

کنھول سنگھ نے اپنی بپتا کہہ سنائی ؎

وانڈے لاگو بیری رہو سدا سُو ھار ...... نول باغ کا بیچ میں میرو لیئو رتن سنگھ مار

انہوں نے پوچھا ؎

وا کے نوکر ایک نا تیرے کئی ہجار .... ایسی کہا چوک تو سُو ہوئی جا سو لیئو رتن سنگھ مار

تو کنھول سنگھ نے وہی بات دہرائی جو اُس کی فوج نے بھاگ کر آ بتائی تھی ؎

وا کے آیو ہے بکر دلیا ہمکو رہی نہ چیت ...... نول باغ کا بیچ میں نول رہو رتن سنگھ کھیت

انہوں نے فوراً اپنی چوبیس ہزار فوج کو کنھول سنگھ کے ساتھ روانہ کر دی۔

سونجیا بالیسری کی ایک درویش سے دوستی تھی۔ جب اُسے ہاڈا فوج کی چڑھائی کی اطلاع ملی تو یہ اُس کے پاس گیا۔ اُس نے پانچ سو اُلّو مدد کے لئے بھیجد یئے۔ جنگ میں اُلّوؤں کے استعمال کا طریقہ بھی اُسے بتا دیا۔

واپسی پر سونجیا بالیسری ثمن بُرج میں سو گیا۔ اُلّو بھی اس کے ساتھ تھے۔ اُس کا کسی کو پتہ بھی نہ تھا کہ ادھر چھتیس ہزار فوج نے سانگ پنوار کے قلعہ اور شہر کو گھیر رکھا تھا۔ گولہ باری شروع ہوئی تو پہلا گولہ ثمن بُرج میں ہی جا کے لگا۔ دھماکہ ہوا تو سونجیا نیند سے بیدار ہو گیا پہلے تو اُلّوؤں کو اندر ہی بھول آیا لیکن جب یاد آ گئے تو نکال لایا ؎

بھر د سنگھ نے روشؔ جینید گھڑے کسوایو ...... دِیا کو ٹڑہؔ تین کو دِ کے باہر آیو ......

جوش میں بھرا آیا تو سانگ پنوار کو گھبراہٹ کے عالم میں پایا۔ ٹھاکر کو دیکھتے ہی چلّا اٹھا ؎

تینے مانی نہ بکر دلیا اُو گھنتے ہی بھان .... مل لے ہاڈا سُور سُوا ای مَردن کو میدان

رانی نے بھی کہا ؎

مَن میں ساونت بن رہو بہت پھرے ہو دور .... چِینتا کیں سے چیٹرا ہشکی ھاڈا سُور

لہ سرحد ؔ غصہ ؔ زین بچہ کو دِہ ؔ بیہوش کرد

موبنجیا ان سب باتوں سے بے پروا تھا۔ اُس نے تو آلووَں کو چھوڑ دیا جنھوں نے اس باڈا فوج کو بے ترتیبی سے اُڑ اُڑ کر حیران و پریشان کر دیا۔ فوج کی توجہ ادھر مرکوز تھی۔ دوسری طرف سے سانگ پنوار کی فوج نے حملہ کر دیا۔ افراتفری کے اس عالم میں موبنجیا بالیسری راجپوتی نعرہ مار کر میدانِ کارزار میں گھسا ہوا تھا۔

رجپوتا ئی کٹھن ہے مت کوئی جھوٹی ریس کرے[1] ...... جنکا دھڑ کٹ کے سر کٹ گیا مے رجپوت سرے[2]

رجپوتائی کٹھن ہے جنکو تلواراں سو ہیت[3] ...... جنکا سر کٹ کے دھڑ کٹ گیا چھوڑا نہ پھر بھی کھیت

گھوم لوتھ[4] گھائل گراں جیسے رکتن[5] سوج گئی کیچ[6] ...... ایسے چمکاں بگھوتی بجلی جیسے کالا بادل بیچ

سوا پہر تک یہ جنگ ہوئی۔ اور اس میں باڈا فوج کو بے حد ہزیمت اٹھانا پڑی ۔

ابلق ٹوٹا گھونگھرو شبل[7] سات کی بات ...... آوان پیا ملن کو جو گتی[8] پھیر و دیکھاں باٹ

ترک تنگ ترنگن[9] چڑھا سورا سنگ[10] بلٹے سار ...... چھتیس ہزار برچھی چلی برسے جیسے اند گھٹا اک سار

کٹھول سنگھ میدانِ جنگ سے بھاگنے لگا تو موبنجیا نے دیکھ لیا۔ اور بھاگ کر اُسے روک کر کٹھول سنگھ سے کہا کہ میدان چھوڑ کر بھاگنا راجپوتی شان نہیں۔ دونوں میں مقابلہ ہوا موبنجیا نے کٹھول کا سر اُتار لیا۔ اس کی رانی نے سُنا تو بہت روئی لیکن موبنجیا کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکی ۔

دل کرکھ[11] کا بھارت[12] منڈھا[13] کچھ نہ چھوڑ[14] تنت ...... تیرو ہاتھ سراہوں[15] جیتھڑا میرو گھر آیو مار و کنتھ[16]

موبنجیا بالیسری نے کٹھول سنگھ کی راجدھانی پر قبضہ کر لیا۔ اور سانگ پنوار اپنے علاقہ پر قابض رہا۔ کچھ عرصہ بعد کسی چغل خور نے سانگ پنوار سے کہا کہ کہیں تیری حکومت کو بھی وہ نہ چھین لے۔ چنانچہ اُس نے موبنجیا کی حکومت پر حملہ کر دیا۔ لیکن موبنجیا نے بنیاد فنا کیا اور اس کو بھی شکست

---

[1] برابری کا دعویٰ [2] پیدا [3] لاش [4] خون [5] کیچڑ [6] ہتھیار [7] طاقت [8] ڈر [9] خوبصورت جوان عورت [10] گھوڑے [11] گھم گھو [12] ایک جیسی [13] فوج [14] جنگ [15] ہوا [16] فائدہ [17] تعریف کرو۔

دے کر گرفتار کر لیا۔ لیکن راجپوتی شان کو احسان کا بدلہ غم گمی سے دیا کہ کٹھول گڑھ کی حکومت بھی اس کے حوالے کر دی اور بدستور نوکری بھی اختیار کئے رکھی

اس کے سات برس پورے ہو رہے تھے۔ ایک رات اسے اپنی بیوی خواب میں دکھائی دی ؎

آدھی رات نکھنڈے جانے کو سیلیا بولی ...... کر دُنت بھگی رات ساجن پنے دھن ملی

نیند سے بیدار ہو گیا۔ آسمان کی طرف نگاہ دوڑائی۔ بجلی کی چکاچوند تھی۔ اسے خیال آیا کہ اصل میں بادشاہ ہی جانے کی اجازت مشکل سے دے گا۔ اور چلا بھی گیا تو موسم برسات کا ہے ؎

بیجاں مہا کا دیس کی لپ لپ جھالا دیئں ...... ہم نوکر سرکار کا ہم کو راجہ سیک نہ دیئں

اتفاق سے راجہ بھی اسے سن پایا۔ اس نے فوراً گھر جانے کی اجازت دیدی ؎

جا رے بھائی سیک دی گھر اپنے کو جا ...... رانی جیوے تورت مانیو نہیں تو کریو دو جیاہ

چنانچہ وہ عراقی گھوڑے پر سوار ہو چل پڑا۔ اس کا علاقہ دو دس کوس تھا۔ سو کوس فاصلہ طے کرنے کے بعد گھوڑا تھک گیا۔ اُدھر برکھا شروع ہو گئی۔ ریتلی زمین کیچڑ میں چلنا اور بھی مشکل۔ جیسے تیسے وہ سونگ راجہ کے محل کے قریب پہنچا۔ بارش ہو رہی تھی محل کے چھجے کے نیچے گھوڑا باندھا اور بارش کے تھمنے کا انتظار کرنے لگا۔

اس نے سنا کہ رانی اپنی کسی ہمراز سہیلی سے گفتگو کر رہی ہے۔ پتہ چلا کہ بادشاہ چھ مہینے سے شکار کھیلنے گیا ہے۔ یہ بیچاری برہ کی آگ میں جل رہی ہے۔ رانی نے ہوک بھری ؎

ہائے کروں پی نہ ملے میری چھاتی پھاٹی جائے ...... او دن کا دن ہو گیو جاؤ پی کا درشن کروں کھائے

سہیلی نے سمجھائی ؎

ہائے کرامت باوری تیرو واسے ملیگو پیئو ...... یا گھڑی گھڑی کی ہائے سو کائی دن نکل جائیگو جیو

لہ تری ۲ ساتھ ۳ سوتی ۴ بجلی ۵ باد باد ۶ اشارہ ۷ اجازت ۸ مرے کرنا ۹ کسی دن ۱۰ خوب ۱۱

رانی نے پھر کہا ؎

اندیشہ بھی دِھٹا سندیسان گیسا .... کہ اُن کے آئے مِثّاں کہ اُن کے پاس گ

اُدھر موبجیا اپنی ہی. پتایں پریشان کھڑا تھا۔ دکھ بھری باتیں سُنکر اُسے اور بھی رنج

اور وہ بھی اظہارِ افسوس کرتا ہوا بولا ؎

میری اِت سُو چھوٹی چاکری اُت سُو چھوٹا ہنیہ .... وگڑا میں دونوں رہا اب تو بس نماتا من

رانی نے اُس کی آواز سُنی تو چیری بھیجکر اُوپر بلا لیا۔ دیکھتے ہی بدنیت ہو گئی۔ لیکن

تو اپنی آن پر جان دینے والا۔ پرائی نار کی طرف کیسے آنکھ اٹھاتے۔ رانی کو اپنی دُکھ بھری

داستان کہہ سُنائی ؎

میرو آیا تو بہن دو بلو بھجو ل بھاری دُوشج .... بہوں میری دُشمن لیوےگی لاکڑا بہتا او گھنٹے سو

رانی کو بہن کہہ کر مخاطب کیا اور بتا دیا کہ صبح آخری تاریخ ہے اگر نہ پہنچ سکا تو میری

بیوی ستی ہو جائے گی۔ اس نے بہن کہہ کر پکارا تو یہ بھی بہن ہی بن گئی۔ اس کے نے تیز

رفتار اونٹ دیا اور فوراً ہی پہنچنے کا مشورہ دیا ؎

کر ہوسے جا چاتنو مال مُکت بھر بیئے .... جاہل اپنی نار سو بیرا بہن دوش مت

اُونٹ پر سوار ہوا تو وہی خیال ستانے لگا کہیں میرے پہنچتے پہنچتے ستی نہ ہو جا

لیکن اونٹ نے بھی زبانِ حال سے کہا ؎

میری بیٹھت. بیٹھ کے تینے کیں کینو افسوس .... ٹنک پلک نیچی کرو میں تو ہے لے پہنچوں دن کو

اب اُدھر کی کیفیت یہ کہ خاوند کی واپسی سے بے آس ہو کر بیوی نے ستی ہونے کا فیص

کر لیا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اب موبجیا زندہ نہیں۔ چتا تیار کرا لی گئی۔ جلتی آگ کے

گرد پرکرما کرنے رانی پھرنے لگی۔

پہلا پھیرہ پُورا کیا اور اپنے پی کو یاد کرکے روئی ؎

(۱ سنجاہوں) ۲ قسمت ۳ دیتی ۴ سواری کا جانور ۵ کم زور ۶ سوئی ۷ دور ۸ بیوی کا ۹ ستی ہو جا سی

۱ بہو ۱۱ اونٹ ۱۲ چلنے والا ۱۳ کافی ۱۴ نکوہ ۱۵ ستی ہونے سے پہلے پھیرے لیا

پہلو پھیرو دھرم کو بالم پہنچے پربت پار ..... آپ ہی پاٹ[1] ج ہو گئے میں چھوڑی منجدھار

دوسرے پھیرے پر بولی ــ

دوجو پھیرو دھرم کو بالم پہنچے کوس اٹھی[2] ...... تو ٹوٹ[3] گیا اب ان کی آس کسی

تیسرے پھیرے پر دل بھر لائی ــ

تیجو پھیرو دھرم کو میرا ہاتھن میں گونٹھی[4] ...... کدی نہ بگدا[5] سا ئبا، تینے میں بھجو بن لوٹی[6]

چوتھا پھیرا مکمل کیا۔ اور خاوند کو ترسی ــ

چوتھو پھیرو دھرم کو میرا ہاتھن میں لالی ...... کدی نہ بگدا سا ئب۔ تیرا محل رہاں خالی

اسی طرح پانچواں پھیرا مکمل کیا ــ

پانچو و پھیرا ایں پھری دے گجرا کی ریر ...... کدی نہ بگدا سا ئبا۔ تیری میں لاگ رہی اڈیر[7]

اتنے میں وہاں موجود افراد کو دور سے گرد اڑتی دکھائی دی اور ایک اونٹ تیز رفتار آتا دکھائی دیا۔ انہوں نے چلا کر رانی سے کہا ــ

ایک کر ہو آوے پکتو ڈپٹا لیے ...... تیر دبے یا کا ئی اور کو نک تو منہ دو پھیرڑے

اور وہ چھٹے پھیرے کو یہ کہہ کر مکمل کر رہی تھی ــ

چھٹو جو پھیرو دھرم کو سنی آپ کرتار ...... کر ہالول یا پی علول آج میں لمبی باہنہ پسار

وہ تو اسی کا بالم تھا۔ جو انتہائی بے تابی کے عالم میں موقع پہ پہنچ گیا۔ اور رانی سے ملتے ہی کہا ــ

کر ہا کی کر جا کری ہمکو مالش دیئے ...... آڈی آنچل مانڈھ کے رانی تو یا کا نگ لیے

رانی پیاسے اونٹ کو لپٹ گئی اور اس سے بولی ــ

کھیر کھانڈ بھوجن گھنا تو کو نیرشوں[8] ناگر پان ...... پاؤ پیاؤ پاؤ منٹھے۔ بند ہو رہا یا ٹھان

دونوں بچھڑے مل گئے۔ مونجیا نے اسے پوری کہانی سنائی۔ عراقی گھوڑے کے

---

[1] پار [2] قطع تعلق کر گئی [3] انگوٹھی [4] واپس نو [5] [6] انتظار [7] کھلاؤں [8]

ــ

حاصل کرنے کا بھی بتادیا۔ اور وہ پھر سے ہنسی خوشی دن بسر کرنے لگے ۔

شاعر

بھلی کری بھگوان دیا بدھاتا بھیج

تار پان سمرو دھنی ہوئی بھالی سیج

خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

اِی تاریخ موکو بڑا بھائی "امر خاں" نے لکھوائی ہے۔ وا کی بنائی ہوئی ہے۔ یا کو عنوان باندھنا کے لئے میں نے مرجی سو لفظ چُنا ہاں۔

اِی ہینی کی بنی ہوئی تاریخ ہے۔ اُپر یا میں ہماری تاریخ کا سبھی ڈیڈیا مانس آگا ہاں۔ ہو سکے ہے کچھ بھائی یا بات پہ اعتراج کراں کہ یا میں ہندو پنتھ کا ڈیڈیا کیں آیا ہاں۔ اپنی اپنی سوچ ہے۔ میری کہن تو ای ہے کہ ہماری تاریخ ان کا نام بغیر مکمل ہوئی نا سکے۔

لِکھنیا

یاد کروں اللہ گرستی تو ئے مناؤں ۔۔۔ دل پہ گھور اندھیرا جالو کیسے پاؤں
آدھی رات نکمند عقل ہر دا میں آئی ۔۔۔ جوڑ کہی تاریخ کا میں تمہیں سنائی
ہر سے بیٹھی عقل یا ئے رت جانو جھونٹ ۔۔۔ ہیلا دید سے کہہ رہی موت تو پھرگی چار و کونٹ
پھرگی چار و کونٹ کال نے دینا ڈیرہ ۔۔۔ جتنا ولی اولیاء ہو یا کرا پھر سب کا گھیرا
ڈھونڈ ڈھونڈ کے لگیئی امر نہ چھوڑو کوئے ۔۔۔ ایک اب جوڑی تاریخ ہے جا سو ای مجلس لاجی ہوئے

یہ قدرت کا کھیل جنہیں انسان رچایا ۔۔۔ جتنا پیغمبر ہوگیا موت نے وے بھی کھایا
شاہ سکندر بادشاہ نے کروڑوں پہ راج ۔۔۔ دیکھو نگاہ پسار کے وے مرنا ہاں آج
وے مرنا ہاں آج نیر سو کر لے لینا ۔۔۔ پُتلی دی بنائے جار یوں دیکھ اچینا
پتلی جھالا دے رہی ہیں مت آبو کھوئے ۔۔۔ جیسو شاہ سکندر ہوگیا ایسو ہو یو نا دُجو ہوئے

ایسو ہو یو نہ ہوئے پھر ال چوٹے سے چیلا ۔۔۔ ایسو ہو یو دھنتر بید پیچ میں پھیے اکیلا
چھوڑے سے تو سنگ رہاں ایسو ہو یو دھنتر بید ۔۔۔ جانے پچھنے میں جل لے لیا اور کرا سمندر قید

نہ بدسے زمینے نہ اپنیا

کرا سمندر قید ملک میں پھری دہائی — سو موتی کے نہان نہائے اوماوس آئی
ماوس تو آنی نہیں یا پے کر یو کان — ہیں سو سب جودھان کا اب آگے سنو بیان

آگے سنو بیان موت نہ دیوے ٹالا — جتنا جودھا ہویا گرب بھر سب کا گالا
گرب گال دیا سیئں کامت کرے کوئی غرور — پیالو ملکا موت[1] کو جگ میں پیئو پڑے ضرور

ریہ باسک کت گیا جنک دنیا میں ہوگا — کنش راج کت گیا آج دنیا سو کھوگا
دنیا سو وے بھی گیا جن میں تو تجاری[2] جان — صفت کروں جودھان کی اپنا دھروں دھنی سو دھیان
دھروں رب سو دھیان گیان کر کے سن لیئو — جے کوئی جانے جھوٹ بتا کے سو کو دیوو
موئے بتا کے دیجیے جھوٹا نہ یہ فعل — چھتت بھرت دولوں نے پربت دیا نگھیل[3]
پربت دیا نگھیل بھرے یا دو لو بھائی — مارو شتروہان کے بان رام کی پھری دہائی

بھوج راج کت کو گیا جو دے چودے ودیا پاس — بیر بکرماجیت کی کتنی دکھیا کرتا آس
پر دکھ بھنجن ہار بکرما ایسو راجہ — واکو راج سیوڑہ لیئو چھٹا گدی سو ساجھا
راج سیوڑہ وے لیئو واکی رانی لینی موئے — بکھا۔ مصیبت اور استری بجانے کدان ستاوال توئے

راجہ نل کت گیو جھکو جا پہ پڑگو بھاری — کھونٹی نگلو ہار بہت سی بیتی کھاری
راجہ نل کت کو گیو جا پہ دھر د مصیبت دھیان — جو کوئی سمجھے یا جگت میں واپہ رحمت کرے سبحان

پنڈو کت کو گیا قطب کی لاٹھ گڈائی — ہرناکش کت گیو بہشت دو رنج بنوائی
کت کو گیو بتر ابان کشن جاکو سیس اتارو — کت کو گیو جیسے تھ دیو قلعہ کے بھیتر مارو
چھوٹی سی تاریخ ہے یا پہ کرو یقین[4] — ہیں سل سری کا نہ رہا جن سو بجلی پڑے ہی چھین

کو نتا ست بلو مہد جو دھیا پانچو بھاری — جار رہا بیرا ٹھ چھٹی جب ان کی ناری
پانچو جار رہا بیرا ٹھ پائے کر جانو سا پانچ — ایک ناری کا بھول پہ کیچک مرا ایک سو پانچ
کیچک مرا ایک سو پانچ بہت سا جلم گجارا — نکی درو پد نار بھینو نے کیچک مارا
کیچک مرگا جو دھیا واکی ہٹ گی باڑ — بھول سرت دھرے جا مو نے جاد نا سو نو دیکھ کراڑ

[1] ملک الموت [2] ہزاری (مراد ہزاروں) [3] پلٹ دیا [4] یقین

سُن تو پہلوان جا مود کہا تینے دل میں ٹھانی
سِیتا جی کِت گو گئی ڈھونڈا تو کھنڈ ساتو دیپ

وے دنیا میں نا ئے گمی کِت سیتا رانی
سُنو رام لچھمن کہے یا ہے بھگت کو کہا حریف

راجہ اندر کِت گیو بادشاہ اِندراسن کو
بھسما گر کِت گیو گو جب عاشق ہو گی
جو کوئی پیدا کرو جہان میں واکو دیو نا اپنو بھید

مہادیو کِت گیو نا تھ جو کیلاشن کو
بھگ کر بٹہ و گھیاہ تیں لو کھن کو جو گی
دانا اگن کِت گیو دھولو کِت گو دیو سفید

راون کِت گو گیو سرب سُنتا کی لنکا
مکر و ہج کِت گو گیو جو رہتو لوک پتال

ہڑومان کِت گیو کود کے پڑو بلنکا
گرب غروری چھوڑ دے بندہ آخر سب کو کال

حضرت خیا[1] خِضر[2] کِت گیا سمند مٹھی میں سارا
مالک ہی پیدا کرے مالک ہی گیرے جان
سجدہ نوے ہو رسول[3] کو کتنا غیبی پڑے ہانواج

موسیٰ[4] پیغمبر کِت گیا لیک جانے آعصا مارا
حضرت سخی بلال رضی کی سُنے ہے چوتھے درس اجان
آخر بلکا موت سنے وے نر چھوڑا نہ آج

حضرت یوسف[5] کِت گو گیو جُدا جا سو ہو گا بھائی
حکم رب نے دیو مصیبت جب اٹلائی

بنجارہ بڈھہ ٹھوپ کنواں کی سُرت لگائی
حجرت جبرائیل نے جار ہول بنکھ بچھائی

چوتھی پیڑھی اُو نیچے میراں سعد حسین
روشن شاہ درویش فقر جب کر گئے گُنجب
ہوں روشن درویش چلے جب بن کے فقر
روشن شاہ درویش نے کرا جگت کا سیر

جانے پا کھر واری خنگ پہ وانے چڑھ توڑی گفرین
تارا گڈھ کے بیچ چکوے سب سوا او نجب
کِت کو گئے چکوے بین جا کے بھرے ہا جادو چکر
سوداگر بن کے چلو جادنا کر و کفر کو جیر !!

کرو کفر کو جب جار تارا گڈھ توڑا
تارا گڈھ توڑی بھلی میراں صاحب کنوار

بھر لیا سوداگر کا بھیس خِنگ جب بیچا گھوڑا
جادن ہیں سو کفر میں رہ گا خواجہ اور عطار

حجرت کِت گئے ابراہیم[6] رب جا کو ہو گو ساتھی
بُت شکنی وا نے کری کھینچ[7] چلو بجار

بُت[8] پرستی کرے باپ بن بیٹھو کھاتی[9]
نجانو پیغمبر کِتنا ہو یا سب کو بیگی موت اٹھار

---

[1] ... [2] حضرت خِضر علیہ السلام [3] ... [4] ... [5] ... [6] ... [7] ... [8] بُت پرستی [9] بڑھئی، ترکھان

لے گی موت اُٹھار رب سو ہو گو باعی[1] | چھوڑے دیکھو کال موت واکو بھی کھا گی
وے بھی کھایا موت نے سب کی باندھی شُود | جو ہو یو فِراؤن[2] رب سو کِت گو بادشاہ نمرود
کِت گئے بادشاہ نمرود حکم سُو مرے بھی مارا | بابا آدمؑ کِت گیا بہشت سو نِلے اُتارا
جسرت آدمؑ کِت گیا جن سو پیدا خلق جہان | امر ناؤں اللہ کو خلق میں سمرو ناؤں سجان

یہ چھوٹا سا کھیل جگت کا جھوٹا دھندا | سب کے اُوپر کھڑی موت تو گیرے پھندا
سب کے پھندا موت کا کیسے ہو یو چھوٹے آپ | تو کو خبر پڑے گی جا دنا جب لیو یگی قبر حساب
یوے قبر حساب فرشتہ تو پہ آوال | جا کے گھٹ بھینتر رب ہو بہت واہے بجھاواں
والے بجھاویں گا قبر میں جاکے بھینتر ناؤں رسولؐ | سب کے اُوپر فرض[3] ہے پھر بھی کیوں رہی دل میں بھول

ختم کروں تاریخ ہوئے دنیا میں جاری | سب کے سر پہ کھڑی موت نے جھانکر[4] ماری
بھانکماری موت نے یا پہ کرو اکھین | ابھے مان کوئی مت کرے نپکے بلے ہاتھ جگ تین

بلے ہاتھ جگ تین رین کا یہی بسیرا | میرو ناؤں "امر خاں" جات بڑی ہے نگر[5] میرا
جو کوئی پیدا ہو یو جہان میں واسو خوشی ہو یو سب گاؤں
مرا سو پیچھے تین دن پیچھے باقی رہ جائے ناؤں !!

[1] نشانہ (طرف) [2] فرعون (مگر) [3] فرض، لازم [4] آواز [5] ڈاک خانہ ماتور تحصیل منڈاور ریاست الور (بھارت)

شیر سنگھ کی آپ بیتی

"یہ کہانی مجھے چوہدری بنسی خاں مرحوم کی رہائش "جیا بگا" ضلع لاہور سے ملی۔ میرا اتفاقاً وہاں جانا ہوا۔ بدھی رائے" نیانہ والے" سے میری ملاقات ہوئی۔ یہ بہت گیانی آدمی نکلے۔ انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں اس کہانی کو مجلس میں گایا اور میں تحریر کرتا گیا۔ رہی سہی کسر بعد میں پوری کر لی۔

کہانی ھذا کے دوسرے نسخہ کی خاطر میں نے سر توڑ کوشش کی لیکن کچھ عرصہ تک ناکام رہا۔ مگر "جوئندہ یابندہ" کے مصداق دوسرا نسخہ مجھے مل ہی گیا۔ "جگتی رائے سکونتی جیا بگا نے مجھے تحریر کرایا۔ تقابل کرنے سے معلوم ہوا کہ تفاوت بہت ہی کم ہے۔ بدھی رائے نے اس کہانی ہذا کے تخلیق کار پلٹو رائے" سہاپور والے" سے سیکھا سہال پور، ریاست الور کی مالا کھیڑی تحصیل میں ہے۔

پلٹو رائے تقسیم ہند کے وقت بقید حیات تھے۔ شیر سنگھ کی بات بجھے میوات کی " ستوادی" کہانیوں میں شمار ہوتی ہے۔ اور "حاجی کی بات" کی طرح عام ہے"

مؤلف

تختن پت بے بادشاہ ٹہاں خجانہ دان .... رُوم ملک پیدا ہویو شاہ جہاں سُلطان

رُوم کا یہ حکمران نہایت تزک و احتشام سے حکومت کر رہا تھا۔ لیکن بُرے دن آتے دیر نہیں لگتی اور نہ ہی پتہ چلتا ہے کہ کب بدبختی کا آغاز ہو جائے۔

بھادوں کا مہینہ، جس سے بچنے کے لئے بادشاہ کے دل میں آئی کہ محل پر جا کر چہل قدمی کرے۔ قریب ہی دریا بہتا تھا۔ دیکھا کہ دو عجیب قسم کے انتہائی خوبصورت پرندے بیٹھے ہیں۔ بادشاہ نے دیکھا تو ملکہ کو بُلا بھیجا۔ وہ نیکدل خاتون تلاوتِ قرآن پاک کر رہی تھی۔ بادشاہ کے بلاوے پر اُوپر گئی۔

بادشاہ کہنے لگا ؎

چوماسہ کی رُت اُڑے دو جن بھر آئے .... دیکھے شاہ جہاں سلطان جانور اٹھہرائے
رانی سو راجہ کہے سُن تریا میری بات .... جوڑو نری نرن کو بیگم اٹھ کر آیو ساتھ

نری نر کا جوڑا کیسے ممکن ہو۔ رانی کہنے لگی اللہ تعالےٰ نے ہر جوڑے کو نر اور ناری کی شکل میں پیدا کیا ہے۔ دریا پہ بیٹھے ہوئے عجب جانور ہنس اور ہنسنی ہیں جیسے ؎

رب نے جوڑو تھر پو دو دن کو جگ میں اکلو تھر پونائے .... جیسے جوڑو میرو تیرو بادشاہ ایسو ہی جوڑا بکھو ہوئے

بادشاہ بدقسمتی کے چنگل میں پھنس چکا تھا۔ ضد کرنے لگا کہ دونوں نری نر ہیں۔ رانی نے بات کو طول نہ دینا چاہا اور کہنے لگی۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ لیکن سلطان کی تسلی نہ ہوئی۔ دونوں نیچے آئے۔ شاہ کہنے لگا کہ اگر دونوں میں سے جو بھی غلط ثابت ہو جائے تو اُسے بارہ برس کے لئے دیس نکالا ؎

جا دن تو کہے بادشاہ نر نواِی تریا کہے نائے .... واکو بارے برس کو بھگتے جو بلے بن کو جائے

بادشاہ کے اس طفلانہ فیصلہ پر رانی بہت سٹپٹائی۔ اور کہنے لگی کہ ثبوت کی ضرورت ہی نہیں۔ میں ہار تسلیم کرتی ہوں۔ لیکن بادشاہ نہ مانا۔ اور دربار میں اگر چارناظر خوجے بھجوائے کہ اُس جوڑے کا پتا لگایا جاوے۔ انہوں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ بادشاہ کی طرفداری کرنا چاہیئے کیونکہ اگر رانی کو دیس نکالا مل گیا تو مضائقہ نہیں۔ البتہ بادشاہ کی ہار کی صورت میں اُن کی نوکری خطرہ میں ہے ست جگ تھا۔ لیکن بے ایمان تو ہر جگ میں ہوتے ہیں۔ چاروں ناظر خوجے بے ایمان ہو گئے۔ اور واپسی پر بھرے دربار میں کہنے لگے ؎

ہم نے اُنکے اِندر کی دیکھی چمکتی ایک ہی تصویر..... اُو جوڑو نہی تُرُنّ کو لگاں وے ماں کا جایا بیر

اہلِ دربار بھی خاموش تھے۔ غریب کی حمایت کون کرے۔ البتہ بادشاہ کی بے وقوفی اور ناظروں کی بے ایمانی کا سب کو اندازہ ہو گیا تھا۔ رانی نے آخری مرتبہ منت سماجت کی انتہا کر دی۔ لیکن سنگدل کو رحم نہ آیا اور کہنے لگا ؎

تریا جیسو گڑ بونیم ہے تو ایسی لاگا موئے ...... جہاں تک میری حد ہے ڈٹن نائے دوں توئے

چار کہار بُلوا لیئے گئے اور انہیں حکم ملا کہ اِسے ملک کی سرحد سے پار چھوڑ دیا جائے حکم کے بندے لے کر چل پڑے۔ انہیں بھی رانی کی بے گناہی کا حتمی یقین تھا۔ اور خوجوں کی بے ایمانی کا بھی احساس۔ چاروں سرحد آنے پر ہاتھ جوڑ کر مظلوم رانی کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ کہ کہیں انہیں بد دُعا نہ دے۔ معصوم نیک دل رانی روتی ہوئی بولی ؎

جُگ جُگ جیئو بادشاہ جُگ جُگ جیو بھائی بیر..... بھگتوں اپنی بھاونی جیریکھ جو رب لکھی تقدیر

یہ سُن کر چاروں کہار سر جھکائے واپس ہوئے اور رانی اجاڑ جنگل میں پڑی رہی۔

خدا کی قدرت " کانگڑہ " ریاست کا نوابزادہ سانگا ٹھاکر راجپوت شکار کھیلنے اُدھر آنکلا اُس کا لاؤ لشکر بھی ہمراہ تھا۔ خوفزدہ رانی ڈولی میں جا بیٹھی۔ سانگا نے پردہ اٹھا کر دیکھا تو نہایت ہی حسین و جمیل رانی کو دیکھا۔ لیکن وہ تو رو رہی تھی۔ سانگا کے استفسار پر کہنے لگی ؎

جیسی پاپَن میں پیدا ہوئی ایسی دُوجی ہو ہُیں اور ...... میری بھیجا اَبیرَن ہوئی جلنے دی دھرتی پہ چھوڑ

سانگا نے اِس دُکھیا کی الم کہانی سُنی تو اُسے بہت ترس آیا اور اُس مظلوم سے کہنے لگا کہ اگر دنیا میں تیرا کوئی سہارا نہیں تو ؎

جو کچھ قسمت گئی کرتار نے وہی مٹنا کی ناھی ...... تو ہے میری باہن دھرم کو میں سانگو بھائی

میری تو بھینا مِل لیجئے سلتے بانہہ لپسار ...... ہم نوکر چاکر باغ کا بھینا تو میری سر دار

مُحولا سے اتاری، بہن بنالی - راجپوت جب بہن بنالے تو پھر حقیقی بھائی کا سا کردار ادا کرتا ہے۔ اُسے محل میں لے گیا۔ اور سب سے کہدیا کہ میری بہن کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوجائے۔ رانی بڑے اطمینان سے وہاں رہ رہی تھی۔ چنچل خوردں نے سانگا کے باپ بلدیو سنگھ سے جا کر کہا کہ سانگا ایک عورت کو محل میں لے آیا ہے۔ اُسکی غلطی ہوئی اور باپ نے بیٹے سے پوچھا ؎

کہا تیرے آگ نجھانے لگ گئی میری تو ہو بٹھیو کنگال ...... داغ لگایو جدُ کو بیٹنے تکو پڑایو مال

سانگا کو باپ کے خشمگیں ہونے کا پتہ چلا تو اُس نے بھرے دربار میں ساری روداد کہہ سُنائی ؎

میں نے واکے دینی بانہہ اُجاڑ میں کر نیچا نینا ...... اُو تیری پُتری دھرم کی اور میری ماں جائی بھینا

سانگا جس دن اُس رانی کو لے کر آیا تھا۔ وہ تاریخ اُس نے درج کر لی تھی رانی تین مہینے کی حاملہ تھی۔ چھ مہینے اُسے یہاں رہتے ہوئے اُس نے ایک بچے کو جنم

دیا۔ بدخواہوں نے بلدیو سنگھ کو یہ خبر بھی نمک مرچ لگا کے پہنچا دی۔ اُس نے سانگا کو فوراً دربار میں بُلایا اور اُس سے کہنے لگا ؎

توں ہوتوں ہی کہیں نہ مرد بھلو ہویو کپوت ...... ایسا سانگا پتر سو ہم چو کھا رہتا اوت

سُنتے ہی سانگا نے وہ تحریر سامنے رکھدی۔ لیکن بلدیو سنگھ کہنے لگا کہ نو مہینے کی بجائے ۷ ماہ میں بھی بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔

سانگا کہنے لگا ؎

بیب کی متھی سنبھال لے جاوِن لالیو کیل ...... سانگا میں بچے مَیل ہے اپنا ہاتھن دیکو سیل

راجہ نے شہر کی سب دائیوں کو فوراً بُلا بھیجا اور ان کو حکم دیا ؎

تم دائی میرا شہر کی اگر مہینو کھاٹے ...... لڑکو پورا ہے کہ کسر ہے دھرم سُو بچی دیو بتائے

بچے کا اچھی طرح جائزہ لیا اور بادشاہ سے کہا کہ نو کی بجائے یہ بچہ تو ۹½ مہینے کا ہے۔ بلدیو سنگھ بہت خوش ہوا اور بیٹے پر تہمت لگانے والوں کو سزا دی۔ اور سانگا کو پاس بٹھا کر فخریہ انداز میں کہنے لگا ؎

سُن سانگا تو سُو کہوں تیرو جوہا نہ ہے کوئے ...... سائیں پُتر دیئے کاٹی اور کو میرا سانگا سُر کو ہوئے

بلدیو سنگھ نے نجومیوں کو دربار میں بُلا کر بچے کے نام کی فال نکلوائی۔ "شیر شاہ بادشاہ۔" نام نکلا۔ لیکن وہ مصلحتاً کہنے لگے کہ اُس کا نام ہماری فال میں "شیر سنگھ" نکلتا ہے ؎

اُتم گھر کو کنور ہے راج تھان ہے گاوں ...... بلدیو گھر پیدا ہویو دھرو یا کو "شیر سنگھ" جب ناوں

شیر سنگھ نام رکھدیا گیا۔ شاہی محل میں پرورش پاتا رہا۔ ۵½ سال کا ہو گیا تھا کہ ایک دن بلدیو سنگھ نے بُلا بھیجا۔ اور سانگا کو تاکید کی کہ بچے کو تعلیم دلائی جائے۔

اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ جب کچھ تعلیم حاصل کر لی تو پھر شیر سنگھ کو اصطبل اور مویشیوں کا نگران بنا دیا گیا۔ ایک دن گوالوں کو دیکھنے کے لئے شیر سنگھ گیا تو راستے میں ایک بنجارہ کی سواری آ رہی تھی۔ اُس نے راستہ مانگا۔ یہ نوعمر اور بنجارہ بکھیتی۔ اِدھر جوانی کا نشہ اور اُدھر دولت کا۔

شیر سنگھ راستے سے نہ ہٹا تو بنجارہ نے غصہ میں آ کر تین ہنٹر مار دیئے۔ یہ روتا ہوا اپنے ماموں سانگا کے پاس پہنچا اور اُسے کہا ہے

ہم تو جانے بابا لج میں ماموں جی سردار ...... آپڑ ماما تیرا راج میں آج میری ہوئی بھنڈی خوار
ہتا اپنی ٹھان پہ رکھت گنج مشین ...... بنجارو مجھو نہیں بیرے دیا کوڑہ تین

سانگا کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اپنے بارہ ہزار لاؤ لشکر کو بنجارہ پر چڑھائی کرنے کا حکم دے دیا ہے

سُن یو بھائی ٹھاکرا گھوڑے جُڑو لگام ...... جے بنجارہ پہ نہ چڑھاں تو کھانو لُنک حرام

اور جاتے ہی بنجارہ پر ٹوٹ پڑا ہے

جا دن سانگو بھر گو سَر دس دل کو ہانکا کینا ...... کینا ترواہنا بہ گان گھیر بنجارہ لینا
نو تھ دھڑا دھڑ پڑ رہی رگتر اچی کیچ ...... چمکے ایسے جگوتی بجلی جیسے کالے بادل بیچ

اپنے آدمیوں کا جب اس طرح قتل عام ہوتے دیکھا تو بنجارہ نے پگڑی سر سے اُتار کر دُھائی دیدی ہے

کہا بُرائی ہیں کری کینی کہا خطا ہے ...... گھٹی بدھی کو معاف کر سانگا بستی ڈوبی جا

سانگا نے تلوار نیام میں تو کر لی لیکن زہر آلود نگاہوں سے بنجارہ کو گھور کر کہنے لگا ہے

میں نے تو پالو ہو گھی دُودھ سو بیر دتینے مجھو غیر ...... مار دیو ر بھانجو بنجارہ تو اب ست سمجھا خیر

بنجارہ نے پگڑی سانگا کے قدموں میں ڈال دی اور معافی کا خواستگار ہوا ہے سانگا

کو ترس آیا اور اپنی فوج کو لڑائی بند کرنے کا حکم دے دیا۔ پگڑی اٹھا کر بنجارہ کے سر پر رکھدی۔ بنجارہ اپنی غلطی پر بہت ہی نادم ہوا۔ اور سانگا سے کہنے لگا کر مجھے اپنا پگڑی پلٹ بھائی بنالو۔ تا زیست آپ کا بھائی ہی بن کر رہوں گا۔۔۔۔۔ معافی دیدی اور سانگا نے بنجارہ کو اپنے پاس مہمان بنا کے ٹھہرا لیا۔ پندرہ دن تک وہ ٹھہرا۔ اسی عرصہ میں شیر سنگھ کی ماں سے بھی ملا۔ اُسے بھی اپنی منہ بولی بہن بنا لیا۔ اور ایک دن کہنے لگا ؎

میری سُنیو بھینا دھرم کی بیر پٹیے نانبے میل ۔۔۔ جے تو سانگو سمجھے ہمن کو تو چلانے ہمارے گیل

بہن کہنے لگی کہ بھائی سانگا کی اجازت کے بغیر کیسے جا سکتی ہوں۔ منہ بولے بھائی کی موجودگی میں بہن کو سانگا منع کیسے کر سکتا تھا۔ دبی سی زبان سے بولا ؎

بیر تو مائن کی کمتی نہیں تیرو چاہے سو کھائے ۔۔۔۔۔ جانی ہے تو ڈانٹوں نہیں رتبے نا ٹوں نائے

برے دن کب آجائیں کسی کو کیا معلوم۔ رانی کو بھی پتہ نہ تھا کہ ایک دفعہ پھر منحوس ساعت آن پہنچی ہے۔ سانگا بھائی سے اجازت مانگ کر بنجارہ بھائی کے ہمراہ چلدی۔ اُس نے یہ نہ سوچا کہ ذلیل قوم کتنی ہی مالدار ہو کہیں نہ کہیں اپنی رذالت کا پتہ دے دیتی ہے ؎

جب سو آئی یا محل میں کسے لگا دوں کھوٹ ۔۔۔۔۔ انجل شہجادی کو اچھٹ گو یا کی لیگی دِسا کلہوٹ[1][2]

سانگا نے اشارتاً پھر بہن کو منع کیا اور بنجارہ کی اندرونی کیفیت اور رذالت کی طرف اشارہ کیا ؎

بھینا چھوٹا موتی نہ جڑاں نہ پھٹے دودھ گھی ہوئے ۔۔۔۔۔ جکے من تن دونوں پھٹ گئے اُن گھر کدین رسائی ہوئے

لیکن رانی نہ مانی تو پھر سانگا نے کہا ؎

۱؎ رزق ۲؎ کروٹ

حلف اٹھاواں ہاتھ سو جن کا جنیتر نا ہاں صاف
اُن کا سینہ سیاہی میں رنگا اُن میں کیسے ہوئے ملاپ

بہن نہ مانی تو سانگا کو بھیجنی ہی پڑی۔ بنجارہ نے روانہ ہوتے ہی نگاہ بدل لی۔ پہلا پڑاؤ پچیس ۲۵ کوس پر کیا۔ ابھی وسوسہ تھا کہ کہیں سانگا کی حد قریب نہ ہو۔ دوبارہ کوچ کیا اور مزید بیس کوس آگے جاکر آرام کیا۔ شیر سنگھ نے بنجارہ کو ماموں کہا تو اُس نے تیور بدل کر کہا ؎

جو تیرو ماموں لگے ہوں میری سر اڑ
تو لڑکو میرا بیر کو میرا کنبہ کو پر دار

اگر آئندہ ماموں کہا تو زبان کھینچ لوں گا۔ میرے بھائی کا نطفہ ہے۔ اور مجھے ماموں کہتا ہے۔ چچا کہا کر۔ شہزادی بھی سُن پائی۔ اور منہ بورے بھائی بنجارہ سے کہنے لگی ؎

بھائی ادنی امتی ستایئے۔ بیر اجے لائق بھر ہوئے
ادنی کی مالک سُنے ویگو جڑا مول سو کھوئے

بنجارہ خاموش رہا اور شہزادی کف افسوس ملتی واپس اپنے خیمہ میں چلی گئی۔

رات کی تاریکی میں بنجارہ نے اپنی رذالت کا ثبوت دینے کی ٹھانی۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ سب سو جائیں۔ آج نائیک بن کے وہ خود پہرہ دیگا ؎

ہارا آیا گیل کا سارا جایو سوئے
نائیک کو پہرو لگے متن جا گیو کوئے

آدھی رات کا سمے ہوا تو بنجارہ بادشاہ زادی کے خیمے کی طرف چلا کچھ پرندے جاگ رہے تھے۔ اپنی زبان حال سے بول اٹھے ؎

اترا ماں گر رہو بنجارو مانے نائے ...... جنم بھر توبہ کر رہا پاپی نرگ کنڈ کو جائے

بنجارہ وہاں پہنچا تو نیک دل خاتون تلاوت قرآن مجید کر رہی تھی۔ بھائی کو دیکھتے ہی بول اٹھی ؎

آدھی رات نکھنڈ ہے دیوہ نہ باتی تیل ...... بھابی کا تمبو اور ہاں بیرا تو کیسے بھولو گیل

لیکن وہ پاپی کہنے لگا ؎

پیٹھ پاؤں دے جو آو ترال آنسو باہن کے سینسار ...... تو ہا میری استری میں تیرو بنجارو بھرتار

نمک حرام بنجارہ کی کمینگی عیاں ہوئی اور اس کی سفلانہ حرکات بھی معلوم ہو گئیں تو بادشاہ زادی نے ہاتھ جوڑ کر اپنی عصمت کو بچانے کی منت سماجت کی ؎

تو سمدر ہم ہنس ہاں وا تا بر جپ خیر منائے ...... تو تو بیرا سنگھ ہا اور میں ابھیا گت گائے

بنجارہ کمینگی کی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ اس کے آدمیوں کا سانگا نے جو قتل عام کیا تھا اسے بخوبی یاد تھا اور بدلہ لینے کا یہی وقت اس نے جانچا۔ کہنے لگا ؎

یہی سنگھ کو کام پھانس گٹو لو کھائے ...... لاکھ جتن کر لیجے بنجارو مانے نائے

رانی بھی اپنی حیا و عصمت کی خود پاسباں تھی۔ جیتے جی یہ موذی اس کے ہاتھ لگ سکے ناممکن تھا۔ کہنے لگی ؎

تو سو میں انگ بھسٹاؤں نا جیو تے غیبی کیسے جتن بجار ...... میں ہیرا گوٹھی چوس لوں مروں کٹار کھائے

بنجارہ بھانپ چکا تھا کہ یہ جان کی بازی لگا دے گی۔ چنانچہ رانی کو قید میں ڈال دیا اور مزید یہ سزا دی کہ روز پچیس سیر دانے پیسے۔ کمبل اوڑھ کر فرش پر سوئے۔ اس ظالم کے حکم کو ٹالے کون۔ مظلوم عورت سزا بھگتنے لگی۔

ماں کو تو یہ سزا دی۔ اور اب شیر سنگھ کی باری آئی۔ اسے موڈی چرانے پر مجبور کر دیا۔

دونوں ماں بیٹا ایک دوسرے سے مل سکے۔ ایک دن شیر سنگھ کے پاس سے ایک مویڈی جنگل میں گم ہوگئی۔ بس اب کیا تھا بنجارہ کو اور بھی موقع ہاتھ لگا۔ مارتے مارتے اس کا برا حال کر دیا۔ شیر سنگھ نے ہاتھ جوڑ کر منت کی کہ جیسے بھی ہو سکے گا موڈی کو ڈھونڈ کے لائے گا۔ اسی تلاش میں وہ ادھر ادھر پھرتا پھراتا جنگل اجاڑ میں ایک کنوئیں پر پہنچا وہاں منشا دیو جو ناگ پتال میں رہتا تھا کی لڑکی کملا چند اور لڑکا دیو کرن بیٹھے چوپڑ کھیل رہے تھے۔ ان کی اچانک نگاہ ایک آدم زاد پر پڑی تو کنوئیں کے ساتھ ہی ایک "باؤڑی" میں چھلانگ لگا دی۔ دیو کرن کے پاس "دمن" تھا جس کی وجہ سے پانی پھٹ جاتا تھا۔ اور وہ تہہ میں چلے گئے۔ اس افراتفری کے عالم میں کملا چند کی سوا لاکھ کی جوتی جس میں ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے رہ گئی۔ شیر سنگھ نے انہیں اٹھا لیا اور آکر بنجارے کے حوالے کیں شاید اس کی گم شدہ موڈی کی قیمت پوری ہو سکے۔ جوتیوں کو قابو کر بنجارہ نے پھر شیر سنگھ کو بیدردی سے مارا۔ اب کی بار اس نے پھر منت سماجت کی کہ ہر صورت میں موڈی کو تلاش کر کے لائے گا۔ جان بچا کر وہاں سے بھاگا تو جاتے میں اپنی مجبور لاچار والدہ کو بھی ایک نظر دیکھتا گیا۔ خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔ اسی کنوئیں پر پہنچا تو دوبارہ انہی دونوں بہن بھائیوں کو دیکھا۔ نظر بچا کر ایک درخت کی اوٹ لے کر وہ ان کے بہت ہی قریب پہنچ گیا۔ انہیں اچھی طرح دیکھ لیا۔ اچانک کملا کی نگاہ پڑ گئی وہ دونوں ہی باؤڑی میں چھلانگ لگا گئے۔ شیر سنگھ نے بھی دیر نہ کی پیچھے ہی کود پڑا۔ بنجارہ کے ہاتھوں مرنے سے یہاں کا مرنا اسے گوارا تھا۔ کملا چند اور دیو کرن پاتال پہنچے تو شیر سنگھ بھی ہمراہ تھا۔ منشا دیو نے دیکھا تو سمجھا کہ لڑکی سیانی ہو چکی ہے ہو سکتا ہے اس نے آدم زاد کو بلایا ہو۔ چنانچہ اپنے بیٹے سے دریافت کیا :-

دیو کرن تو سو کیوں اوہ میں پوچھت ہوں تو سے ...... لڑکا ہے لایو کہاں سو بیٹا ہنک بتا دے موئے

تو دیو کرن نے حقیقت حال واضح کر دی مگر منشا دیو کی تسلی نہ ہوئی۔ اس نے

دیونی نے کہا کہ بیٹی کے دل کی بات بوجھے تو اس نے بیٹی سے پوچھا ـــ

کملا پھول کنول سی میں پوچھت ہوں تو ئے ...... کچھ تن میں وِشنا لگی بیٹی سچ بتا دے مو ئے

بیٹی کیا بتا سکتی تھی اس نے دیوکرن والی بات ہی دھرائی ـ لیکن ماں کی تشفی نہ ہوئی اور وہ خاوند سے کہنے لگی ـــ

تو دانو ہوکے سائیاں کرے نادانی کی بات ...... "جگ میں بیٹی ناں کہے جاوٗں یا کے ساتھ"

دیو اور دیونی نے آپس میں صلاح مشورہ کر کے کملا چند کی شادی شیر سنگھ سے کر دی ـــ

"تیل بان ہونی کرے مانڈھے جگی رات" ...... کملا کا پھیرا دیا شیر سنگھ کے ساتھ

کچھ دن تو انہیں اپنے ہی پاس رکھا ـ پھر وداع کر دیا اور انہیں پہنچانے کے لئے دیوکرن بھی امرت لوک تک ساتھ آیا ـــ

جا دِن بداع دیو کی کری ہوئی پیتم کے لارے ...... پہنچے امرت لوک بیٹھ گئے کنور بچار ے

دیوکرن توٗں کہے کہاں ہے ٹھوڑ تمہارے

تو شیر سنگھ آنکھوں میں آنسو بھر لایا ـ اسے اپنی بپتا اور ماں کی بے کسی یاد آگئی ـــ

آنکھن سو دیکھو نہیں میں نے اپنو باپ ...... دِن تو مہارے ہیں کٹاں وا بنجارہ کے پاس

بھائی جدا ہونے لگا تو کملا لپٹ کر رونے لگی اور کہا ـــ

موکو اچھا کپڑا لاوٗ تو تولا تو بڑھ سیا چیر ...... چھوڑی بن اُجاڑ میں دیوکرن سا بیر

تو بھائی سمجھانے لگا ـــ

تو کنوئیں ٹیکی باپ نے کہا کر بگھو بیر ...... بھیناب تو جگت میں تیری پھوٹ گئی تقدیر

دونوں بہن بھائیوں کی باتیں ہو رہی تھیں کہ شیر سنگھ بھی اپنی مجبوری و لاچاری یاد کر کے رو دیا ـــ

موکو دھرتی پھاٹی جات ہے میں اندیشو مو ئے ...... آگے بچھو سول کو سانتر و کہاں لے چلوں تو ئے

دیو کرن جا چکا تھا۔ کملا چند نے شیر سنگھ کا حوصلہ بڑھایا۔

جلے سول کو سانترو اب تبھو دیدے آگ ...... جت کو رب لیکے چلے اُت کو چلیو بھاگ

سورج غروب ہونے کو تھا۔ وہ جاتا کہاں کو۔ بیوی سے کہنا لگا۔

جُوں جُوں دِن چھپنے لگو میرا جی کو نا ہے سانس ...... میرو ایک پاؤں سول کے سانترو ایک تمہارے پاس

پریشان کن باتیں سن کر کملا چند نے شیر سنگھ کو اپنا آخری فیصلہ بھی سنا دیا۔

میں نے سکھ سمپت سب چھوڑ کے تیری بپتا کری قبول ..... جب لکھو سول کو سانترو کون بتاوے بھول

دونوں بنجارہ کے ڈیرہ کی طرف چل پڑے۔ بنجارہ نے جب شیر سنگھ کو دلہن لاتے دیکھا تو جل بھن گیا لیکن چالباز تھا۔ ظاہراً اس نے شیر سنگھ کا استقبال کیا۔ دلہن کو الگ جگہ پر بٹھایا اور شیر سنگھ کو قابو کر کے اجاڑ جنگل کی طرف لے کر چل دیا۔ اب اس نے ایک قاتل کا سا رویہ اختیار کر لیا تھا۔ شیر سنگھ اپنی قسمت پر آنسو بہاتا ہوا ساتھ تھا۔

ہو گو بنجارہ بے دیا، مَیل نہ دل پہ لایو ...... پکڑا پاؤں اور ہاتھ تُرت ہونی سنگ رایو

بنجارہ نے خدا کو نیکن خوف کیو ...... باندھا ہاتھ اور پاؤں شیر سنگھ کنوئیں پٹک دیو

شیر سنگھ کو اندھے کنوئیں میں پھینک کر بنجارہ واپس آگیا۔ اس کی نیت میں کملا پر دست درازی کرنے کا فتور سمایا ہوا تھا۔ کملا چند حیران و پریشان تھی کہ اسے چھوڑ کر شیر سنگھ غائب کہاں ہو گیا۔ مہیب کالی۔ ڈراؤنی رات تھی۔ نیند کملا سے کوسوں دور تھی دبے پاؤں پاپی بنجارہ کملا کے پاس پہنچا۔ شیر سنگھ کی بجائے جب کملا نے بنجارے کو اپنے خیمے کے پاس آتے دیکھا تو بول اٹھی۔

شیر سنگھ کت کو گیو واکو نا ئے پتا ...... کا رج کیسے آئے ہو میرے بیٹھو آپ پتا

بنجارہ کہنے لگا۔ کس شیر سنگھ کے خواب دیکھ رہی ہو۔ وہ تمہارا خاوند نہیں بلکہ "میں ہوں" وہ تو میرا غلام ہے۔ اپنی خاطر میں نے ہی تمہیں منگوایا ہے۔

اُدمیرو نوکر چاکر اور خاص غلام آیجا کے تو سنگ آئی .... اُوتو میرے رہو گے رہتکو میں تے تو اپنی خاطر منگوائی

نیک دل خاتون بنجارہ کی بات سن کے غصہ سے تھر تھر کانپنے لگی - لیکن ضبط کر کے کہنے لگی ؂

جو نوکر چاکر خاص غلام آ جگت میں اومیرو بھرتار ...... پھیرا ماں باپن نے دیدیا چاہے اُدہو وے جات چمار

اور پھر اپنا تعارف کراتی ہوئی کہتی ہے ؂

میں بیٹی منشا دیو کی بے پڑ بے پتا کو ٹھیک .... تیری بنجاری ڈڈ لنگی رُدوتی انکو مالگی مِلان بھیک

بنجارہ سن کے ٹھٹک گیا تو کملا چند نے اور بھی کہا ؂

کیسو ہا تو جو دھیا اور کتنو ہا بلوان .... تیری ٹڑی لونہ تڑ پڑ کرے کیھنوں تیری آنکھن بٹ جان

بنجارہ گھبرا تو گیا لیکن اس نے واپسی پر ایک اور حکم چلانے کی کوشش کی وہ یہ کہ اگر میری زوجیت قبول نہیں تو قید با مشقت میں ڈال دوں گا - اور تجھے پچیس سیر اناج روزانہ پیسنا پڑے گا - کمبل میں سوؤ گی - انکار کر دیتی تو بنجارہ کیا بگاڑ لیتا - لیکن بے احتیاطی میں کملا نے کام کرنے کی حامی بھر لی - اس کا قید خانہ بھی بادشاہ زادی کے ساتھ میں تھا لیکن دوسری کو خبر نہ تھی کہ وہ کون ہیں -

کملا چند رات میں چکی پیسنے کے لئے بیدار ہو گئی - ہر طرف ہو کا عالم تھا - چکی چلانے لگی تو بادشاہ زادی کی بھی آنکھ کھل گئی وہ اس کے خیمے میں آئی اور پوچھنے لگی ؂

ہم دکھیاری آدھی اپنی اپدی کراں یا جون .... یا پاپی کے پنجرے پڑی دُوجی آ کے کون

کملا چند نے بتلایا ؂

میرو شیر سنگھ بھرتار ہے جو سبح بتا دوں تو ہے ... جانے کو گا نٹھو کہہ گیو قید بک گر مو ہے

شیر سنگھ کا نام سنتے ہی بڑھیا پچھاڑ کھا کر گر پڑی - کملا سمجھ گئی کہ یہ بھی کوئی خاص دکھیاری ہے اور شیر سنگھ کی ناطے دار - بڑھیا کو ہوش میں لانے کے جتن کرتی رہی کافی دیر بعد ہوش میں آئی تو کہنے لگی ؂

بیٹی دیکھ تمہارے حسن کو ہر دیو بنجارے قتلام ...... پیدا ہو یو مو میری کوکھ شیر سنگھ سو لال

پھر اس نے اپنی ساری بپتا کہہ سنائی۔ سانگا کے گھر سے چلے آنے کا اسے بیحد قلق تھا۔ بنجارہ کی رذالت سے بھی پردہ اٹھایا۔ اور آخر میں اس نے شک کیا کہ شیر سنگھ کو اس ظالم بنجارہ نے قتل کر دیا ہوگا۔ سانگا بھائی تک کون خبر پہنچائے۔ کملا نے یہ بپتا سنی تو کہنے لگی اور تو اس قید میں کوئی مدد کرنے سے قاصر ہوں۔ البتہ آپ کی مشقت میں ہی برداشت کروں گی اور آپ دونوں کمبلوں میں لپٹ کر سو رہیں۔ تو ساس کہنے لگی کہ بیٹی جب پتر ہی نہیں تو میں ساس کیسے کہلا سکتی ہوں ؎

ہم ادنی ہا اوڑ کی رہتی کیسی خوشی ...... ہم سو ساسو مت کہا جگت میں بن پتر ہو کیسی

یہ کہہ کر ساس تو نیند کے غلبہ میں آگئی اور کملا چکی چلانے لگی۔ چکی چلاتے چلاتے اچانک رکی اور شیر سنگھ کو یاد کر کے رو پڑی ؎

نابے سو کو ایک ڈال کو سہارو آنکھن دیکھے ان ہوئے ...... ساسو تیرا پتر بن ونڈا کیسے اوچھا ہوئے۔

تو ستم زدہ ساس بھی سن پائی اور کہنے لگی ؎

پتر اُدھارا نہ ملاں، ناہی مول بکاں ...... اوچھا ہمارا بھاگ ہاں چھین کون سو لاں

کملا نے پھر بین کیا ؎

میرے تو پڑا کلیجے کو کٹر میں لی بپتا نے چور ...... یہ ونڈا کیسے کٹکاں میرو کھیت لاڈنی دور

ساس نے پھر بھی سمجھانے کی کوشش کی ؎

ہم ادنی ہاں اوڑ کی بہہ گی تھوڑ کتھوڑ ...... کر کے جگوا کا بڑا چھوڑ چلاں کہیں اور

لیکن کملا کہنے لگی کہ ایسے بھاگ جانا مناسب نہیں۔ شیر سنگھ بھی اگر زندہ ہوا تو یہیں آئے گا اور میرا بھائی دیو کرن بھی جب بھی آئے گا تو اسی جگہ پہنچے گا۔ اس لئے فی الحال یہیں رہنا چاہیئے۔ یہ کہہ کر چکی پیسنے لگی۔ اس بپتا میں ماں باپ یاد آئے ؎

آج ایسو کو نہیں میری آن بندھائے دھیر ...... جبر مات پتا کمت لو سہاں کت گو دیو کرن سو بیر

اس مصیبت میں گرفتار ہوئے کملا چند کو تیسری رات تھی۔ تیسری رات میں اس کی ماں کو خواب میں کملا کی پریشانی دکھائی دی۔ اور بیٹی کی عجب پریشانی کو دیکھ کر پلنگ سے نیچے گر پڑی ؎

مکھن سو دے دیوتی کر ے سپنا میں بات ...... اچھٹ پلنگ سو گر پڑی سترت آدھی رات

دیوتی نیچے گری تو منشا دیو کی بھی آنکھ کھل گئی۔ اس نے پوچھا تو دیوتی کہنے لگی ؎

میری سُن سپنے کی بات دیو تم اٹھو سویرا ...... کملا رو کے ہلی نین سو آنسو گیرا

اُٹھ بیٹی رو دکے ہلی میں نے لینی سکھے لگائے ...... میری کملا جیسے پسینو جا کی جگت رسوائی کھائے

دیو نے سمجھائی خواب کی بات میں حقیقت کہاں۔ سو جاؤ۔ پریشان سی تو تھی لیکن آنکھ لگ گئی۔ تو پھر دوبارہ خواب دکھائی دیا۔ تو جاگ اٹھی اور منشا دیو سے کہنے لگی ؎

میری کملا ایسی ہلی باغ کو جیسے مالی ...... واکو ٹھٹھر ہو یو سر پہ دیہہ بھی پڑ گئی کالی

میرد دیجیے کھوج سٹائے جھو ٹھے ہوگئے میری ...... نیچا ؤ اک ہو یو ٹون عجت کو بیری

واکو نیچے، پچھے پچھاؤ تو واہے کیسے آواں نیند

پتو کنور کو ہے نہیں جو تیرے پڑھ کے آیو جنید

صبح ہوتے ہی باپ نے دیو کرن کو حکم دیا کہ اپنی بہن کی خبر لائے۔ بصورت دیگر اس کی ماں بیٹی کے غم میں زندہ نہیں بچے گی ؎

پہنچانے کو تو گیو سُرت تینے ہی ڈائی ...... تیری ماتا لیکے پڑی ہین کھٹ واٹی پاٹی

پہنچا ئیکو تو گیو جاون تو بی ہوا ئیکے لار ...... تیری ماتا سے گی ہیر دیا ئے مری اب جان

تو بیٹا کہنے لگا کہ اپنی چاروں کراماتی چیزیں "من" جس سے پانی پھٹ جائے "دھرتی سونگھنی" جس سے جائے مطلوبہ کا سراغ لگا سکوں، "کھوڑ بدلنی" جس سے اپنی شکل بدل سکوں اور "انگشتانہ" جو ہر آفت سے بچائے بخش دے۔ باپ نے حوالے کر دیں ؎

من "لے لیجیے ہاتھ دیو تو بڑو امانو ...... "کھوڑ بدلنی" لیے پھر جا انگشتانو

رے جادو حرقی سونگھی خبر جو ساٹھ ہاتھ کی ڈیئے ...... تیری ماما انجل جب جگے بورو مجینا کو لا دیئے

یہ سب چیزیں ہاتھ لگیں تو دیوکرن باپ سے بولا ــ

پتا غرض تو مو کہوں بیٹھو رہو یا ٹھوٹ ...... بھول تک تو چھوڑوں نہیں جہاں تک بسے دشمن کا لٹھ

دیوکرن کنوئیں کے راستے باہر نکلا اور طوطے کی کھوڑ بدل کر بنجارہ کے ڈیرہ کی طرف گیا پھرتا پھراتا وہ کملا چند کے خیمے تک جا پہنچا۔ بہن کے سامنے اصلی روپ میں آگیا کملا گلے لپٹ کر رونے لگی ۔ تو بھائی نے سمجھایا کہ اگر چکی ہی پیسنا ہے تو خوب رو۔ اور اگر رہائی مطلوب ہے تو خاموش رہو۔ اتنے میں شیر سنگھ کی ماں بھی وہاں جا پہنچی۔ کملا نے بتا دیا کہ یہ مظلوم کون ہے۔ کرن دیو نے بڑھیا سے پوچھا ــ

کون تہارو ملک ہے اور کون تہارو گاؤں ...... شیر سنگھ کا باپ کو بتاؤ کسی ناؤں

یہ سُنا تو بادشاہ زادی پچھاڑ کھا کے گر پڑی اور روتے روتے کہنے لگی ــ

اُتم گھر کو کنور ہے، رُوم شہر استھان ...... شیر سنگھ کو باپ تو شاہ جہاں سلطان

اور پھر اپنی ساری دکھ بھری داستان کہہ سُنائی۔ دیوکرن اجازت لے کر روانہ ہوا اُس نے انہیں بتا دیا کہ بہت ہی جلد رہائی دلا دونگا۔ اب فکر کی زیادہ ضرورت نہیں۔ لیکن کملا چند رو کے کہنے لگی ــ

مو کو بتیا میں بیرو طو ساری سمپت آئے ...... ایسی مت کر جائیو کملا کدی پیس پیس مر جائے

تو بھائی نے دلاسا دیا ــ

بنجارہ کو مار کے یاکو دھڑ سو سر کاٹوں ...... تو سے قید میں پٹک کے بجینا میں جی جگ پاٹوں

دیوکرن نے جادو کے زور سے ایک پتلی بنائی اور اُس پر سوار ہو کے شیر سنگھ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ پتلی نے اُسی اندھے کنوئیں کا رُخ کیا جہاں شیر سنگھ مقید تھا ــ

پتلی بھول سو چلی پون سو بیگے سوائی ...... دیوکرن چڑھ گیو بلی نے دیہہ بڑھائی

رات دنا چلتے ہو یا سُن کر دو بچار ...... اندھے کنواں پہ جا رُکے پتلی سے گی چکر چار

دیوکرن نے چلاکر آواز دی تو بہت گہرائی سے کراہنے کے انداز میں جواب ملا دیوکرن نے طوطے کا روپ دھارا اور کنوئیں میں اتر گیا۔ شیر سنگھ کے ہاتھ اور پاؤں بندھے دیکھے۔ جو انتہائی کمزور ہو گیا تھا۔ صرف جان ہی اٹکی ہوئی تھی۔ دیوکرن اپنے اصلی روپ میں آیا۔ اور شیر سنگھ کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے۔ شیر سنگھ زار و قطار رونے لگا۔ تو دیوکرن کا دل بھی بھر آیا وہ بھی رو دیا ۔

مانس کو موں کھوج نہ بارے دون اُجاڑ ...... ایک کنواں میں ڈو جنا دواں دھوں دھار

دیوکرن کہنے لگا کہ تمہیں باہر نکالنے کے لیے میں سانپ بنوں گا۔ تمہاری کمر کے گرد لپٹوں گا۔ تو ڈرمت جانا۔ دیوکرن اژدھا کے روپ میں اترا اور شیر سنگھ کو نکال لایا۔ باہر کی ہوا نصیب ہوئی۔ تو اُسے کچھ ہوش آیا۔ جنگل کے پھل توڑ کے کھائے۔ کچھ توانائی آئی۔ دیوکرن کہنے لگا کہ اس ظالم بنجارہ کے چنگل میں کیسے پھنسے تو آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور کہنے لگا ۔

مت چھیڑے یا گھاؤ کو تو کا جانا نا بھید ...... اُن کو چیتیٔ کچھ نہیں جن کی مات استری قید

شیر سنگھ اور دیوکرن دونوں ہی بنجارہ کے ڈیرہ کی طرف چلے۔ لیکن وہ وہاں سے اُٹھ چکا تھا۔

سانگا کے محل سے جب رانی کو بھنڈ ناکہ بنجارہ لایا تو سانگا سے وعدہ کر آیا تھا کہ بغیر ملے آپ کی حدود سے باہر نہیں جاؤں گا۔ لیکن وہ تو مجرم تھا۔ بغیر اطلاع دیئے ہی نکل گیا۔ اور پھر ان حدود کو بھی چھوڑ کر ملک روم جانے کی ٹھانی۔ مہینوں کا سفر دنوں میں طے کر لیا۔ اور شہر کے باہر پڑاؤ ڈال دیا۔ سوچا کر پہلے بادشاہ سے ملاقات کر لی جائے۔ چونکہ دولت کی فراوانی تھی۔ بادشاہ نے اس کروڑ پتی بنجارے کو اپنے برابر بٹھالیا۔ اُسے پتہ نہ تھا کہ موت یہاں کھینچ کر لائی ہے ۔

اشرامانی کر رہو ہو یہ پھر سے اُڑار ...... تنبو ڈالا روم میں لایو بنجارہ کو کال

دھرتی سونگھنی کی مدد سے دیوکرن اور شیر سنگھ بھی وہیں جا پہنچے۔ بادشاہ کا دربار بھرا ہوا تھا۔ دیوکرن نے آواز لگائی ؎

ہم پردیسی پنچھیا آنکلا ست بھائے ...... سَو روپیہ کو قصّو کہوں جے کوئی سُن لئے کان لگائے

بادشاہ نے سبھی قصّے سُنے ہوئے تھے لیکن سو روپیہ والا قصہ اُسے معلوم نہ تھا کہنے لگا کر سامنے آکر سنا دو۔ دیوکرن شیر سنگھ کو ایک کھمبے کی اوٹ میں کھڑا کر کے قصہ سُنانے لگا۔ لیکن پہلے بادشاہ سے درخواست کی کہ اب دربار سے کوئی نہ جائے اور مت کوئی آئے۔ کہانی کا آغاز ہوا ؎

چوماسے کی رُت، اُڈے دو جَن بھر آئے ...... کیسے بادشاہ نر - تریا کیسے جننا ہے۔

واکو بارہ برس کو ہکو ہے جو بلے بن کر جائے ...... چارے نا در بیچ کے شامنے لینی خبر منگائے

دھرم پیل نادر ہو با نر نہ ہی دیا بتائے

دھرم پیل نادر ہو یا کروٹوک کو خیال ...... مُرکے ہو گو بادشاہ رانی دینی دیس نکال

یہاں آکے کہتے کہتے رُک گیا۔ اور بتایا کہ یہیں تک یہ کہانی یاد ہے بادشاہ مبہوت تھا۔ لیکن نجبارہ کہنے لگا۔ مزید سَو روپیہ دوں گا آگے سناؤ۔

دیوکرن نے کہانی پھر آگے بڑھائی ؎

بارے دُون اُجاڑ میں ڈولا دھر وا تار ...... سانکرے دو کو سانگا راجہ کھیلن آیو سیل شکار

وانے دھرم بیچ میں دیئو لگیو بابن بنائے ...... اُن محلن میں جا مُکیے واکے لڑکا جنمو جائے

بادشاہ کو اپنی آپ بیتی کا پتہ چلنے لگا اور سانگا کا نام سُن کر نبجارہ گھبرایا اُسے اپنی کرتوت نظر آنے لگی ؎

پڑھ لکھ کے او کنورجی ہو گو بہت ہنیار ...... بنجارہ کا ئی ولیس کو بگڑی پٹا سنگو یار

رنگ محل کے بیچ بجن بنجارو بھر گو ...... سمت آدھی رات جاہوں بچن پلٹ گو

بارے دُون اُجاڑ ہُون تمبو میں بڑ گو

اتنی تو ہم تے ستی سن کے آنت گلا کو آئے ...... بنجارو بچھرے بنجارہ جو تریا کے گائے ہی گائے

نبجارو بھاگنے کی فکر کرنے لگا۔ بادشاہ سے اجازت مانگی کہ پھر ملوں گا۔ لیکن

دیوکرن بولا کہ بادشاہ سلامت قصہ شروع کرنے سے پہلے میں نے درخواست

کی تھی کہ نہ کوئی آئے اور نہ کوئی جائے " انہیں بھی جانے کی اجازت نہ دیں۔ چنانچہ بادشاہ

نے اُسے روک لیا۔ قصہ پھر جاری ہوا ؎

بادشاہ کو اور لڑکو وانے موڑھیں پر کردیو گوال ...... وا پہ ایک موڑھی کھوگی تو وانے ویاکو شرط بچار

اُوجان لوپ کر گیو گرو باگڑی جبار ...... دیوجات نے دھرم پچھانا پھیر دینا واکا پاٹھ

راکھو دیکھو بدلا گرو اُو بھی پہنچو جوتی آر ...... دونوں تریا پتکی قید میں لڑکا ڈیو کنواں میں ٹار

دیوکرن نے بتایا کہ بادشاہ کے لڑکے کا نام شیر سنگھ رکھا گیا تھا۔ بادشاہ

نہیں چاہتا تھا کہ قصہ رُکے۔ اب اُسے اپنی بے وقوفی کا بشدت تمام احساس ہوا۔

تو دیوکرن سے کہنے لگا ؎

جو قصہ تینے کہو میرے ہو یو صحیح ...... لڑکا بتلو ہے کہ مرگیو اور اُو تریا کہاں رہی

دیوزادہ بولا سب کچھ بتاؤں گا۔ زیادہ بیتاب مت ہوؤ ؎

تو دین وُنی کو بادشاہ سمھو مان بہارو ...... راتے اپنو شیر سنگھ بیری تیرو بیٹھو بنجارو

دونوں کی نشاندہی کردی اور بتادیا کہ مظلوم عورتیں رانی اور کملا چند

اس وقت اِس موذی کی قید میں ہیں۔ اور سخت اذیت سہ رہی ہیں۔ کملا چند کے متعلق بھی

بتادیا کہ میری بہن اور شیر سنگھ کی بیوی ہے۔ انہیں بھی دربار میں طلب کرلیا گیا

بنجارہ کی حالت غیر ہورہی تھی۔

اُدھر سانگا کو پتہ چلا کہ بنجارہ بغیر ملے ہی نکل گیا ہے تو غصے میں پیچ و تاب کھاتا

قدموں کے نشانات کو دیکھتا جاتا۔ دم میں اسی بادشاہ کے دربار تک جا پہنچا۔ اور اسی

لمحہ رانی بھی بنجارہ کی قید سے بلائی گئی تھی۔ سانگا کو دیکھتے ہی شیر سنگھ اپنی

ماں سے کہنے لگا ؂

بڑا گھرن کی لاڈلی تیرا بڈا گھرن میں سشیر ...... اُٹھ ماتا بل لیجے سانگو آیو تیرو بیر

سانگا کو بھی حقیقت حال سے آگاہی ہوئی۔ وہ چاہتا تھا کہ بنجارے کا سر قلم کر دے لیکن بادشاہ نے منع کیا۔ اُس نے رانی سے کہا بہن ہر آدمی جو کوئی منہ بولی بہن بنا لے، بہن بھائی کا رشتہ نہیں نبھا سکتا۔ ہاں اگر کوئی خاندانی راجپوت ہو تو ایسا ثابت کر دکھائے گا۔

پھر سانگا بادشاہ سے مخاطب ہو کے کہنے لگا ؂

مُورکھ ہو گھ بادشاہ کری راوح کی راکھ ...... اب مُر پیچھے ہوڈکی کھا جا بین طلاق

بادشاہ تو اپنی حماقت پر پہلے ہی بہت شرمندہ تھا۔ سانگا کے کہنے کے بعد تو اور بھی ندامت میں ڈوب گیا۔ اُس نے تخت و تاج شیر سنگھ کے حوالے کیا اور خود گوشہ نشیں ہو بیٹھا۔

بنجارہ کو کولھو میں ڈال کر پسوا دیا ؂

پٹ پٹ چھوٹے کھوپڑی وہی چھوٹا خون ...... بنجارو لیسے پسے جیسے چاکھی پیسے چُون

ظالم بنجارہ کو اُس کی کرنی کی سزا مل گئی۔ اور سانگا اپنے بارہ ہزار ساتھیوں سمیت مسلمان ہو گیا۔

دیو کرن بہن سے بل جل کسہاد شاہ۔ سانگا اور شیر سنگھ سے اجازت لیکر اپنی والدہ کو بہن کی خیریت پہنچانے کے لئے چلا گیا اور بتایا ؂

والنے بیٹا جگتی بہت سی اب وا کا سیہ تاج ...... تیری کلا کو سکھ بہت ہاں ماتا او کر سدم پڑاج

راجہ راج اور پرجا چین۔ بادشاہ نے رانی سے اپنے کئے کی معافی مانگی۔ سب ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے ؂

دانا پہ اور مرد پہ سائیں سدا سُہائے ...... شیر سنگھ کی بات کو کہتہ کر گائے پڑھ دائے

ـــہ شرط

رمسوک شہزادی

یہ کہانی میں نے اپنے برادر بزرگ "امرخاں" سے حاصل کی ہے۔ امرخاں میواتی زبان کے ایک اُبھرتے ہوئے شاعر ہیں۔ ٹھیٹ اَن پڑھ، لیکن ہزاروں دوہے انہیں ازبر ہیں ایک ذہین شاعر ہیں۔ اُن کی ذہانت کا یہ عالم ہے کہ تین آدمیوں کو بیک وقت تین مختلف کہانیاں تحریر کرا دیتے ہیں۔ اُن کی عمر چالیس سال سے تجاوز کر رہی ہے۔ کھیتی باڑی مشغلہ ہے اپنی شاعری پر بھی انہیں بجا طور پر ناز ہے۔

یہ کہانی ان کی ذاتی تخلیق ہے۔ جو سال ۱۹۶۳ء میں بنائی گئی۔ پاکستان میں مقیم لوگوں میں میراثیوں کے ذریعے کافی مقبول ہے۔

ذکر دل اللہ تو ہی دُنیا پہ چھایو ...... میرا تو کر یو معاف گناہ عقل، گن، گیان بتایو
تینے گن کے دیا اُنس عقل پیدا ہے تو تُو پائی ...... کر دے میری مشکل کو آسان مدد پہ تو آپ الٰہی
سُنیو پیداکر تا میرے عزت ہو رہے تو تئے
جاکی میں دنیا میں چرچا کروں ایسی عقل دیا نے موئے

گڈھ رُمبوس کی شہزادی، رُمسوک نام، حسن و جمال میں چندے آفتاب چندے مہتاب۔ مگر اس شہر میں بیاہی گئی۔ خاوند جو پلّے بندھا، عقل سے عاری اور مردانہ صفات سے خالی۔ حسین و جمیل شہزادی اپنی جوان اُمنگوں کا خون ہوتے دیکھ کر دن رات کڑھتی رہتی، نہ نند سے کہہ سکے اور نہ ساس کو سُنا سکے۔

بیاہی گئی گجر اس میں شہزادی رُمسوک ...... یا کا دیکھا ہی سو مُن بھرے ہی ای آتی گھنی ملوک

اسی شہر میں دو امیر زادے ماجندرا، کمرا اور سکندرا گہرے دوست تھے۔ ہر وقت ساتھ رہتے اور ایک دوسرے کے دُکھ درد میں برابر کے شریک ہوتے، ماجندرا

کنوارا اور سکنترا شادی شدہ تھا۔ صبح آ ملتے اور سارا دن خوش گپیوں میں گذار دیتے کئی دفعہ ایک ہی جگہ رات بسر کر لیتے۔ ایک دن سکنترا کو گھر جانا تھا ساتھی سے کہا ؎

ہردم رہتا سنگ ہم میں نے وعدہ کر لیو آج ...... جے میں سیجن پہ جاؤں نہیں میری کا من ہو ناج

وہ گھر چلا گیا۔ مگر ماجندرا تنہائی کے لمحات کو بتانے کی غرض سے پنگھٹ کی طرف چل پڑا۔ وہاں چار سہیلیاں پانی بھرنے آئیں ان میں رسوک بھی شامل تھی۔ عورتیں اکٹھی ہوں اور چہلیں نہ کریں کیسے ہو سکتا ہے؟ راز و نیاز، گفتگو ہونے لگی۔ ماجندرا قریب ہی کھڑے درختوں کی اوٹ سے سب کچھ سننے لگا۔ ؎

گئی کنواں پہ چار سنگ میں چپلی سہیلی ...... کہاں یہ دل جھنیٹر کی بات نار چار و البیلی
چار سکھی مل کر چلی سیج دھج کر تیار ...... آپس میں پوچھن لگی تمہارا کیب ہاں بھرتار

گفتگو کا موضوع "اپنے اپنے خاوند" تھے۔ "اپنی چھا چھ کون کھٹی بتائے" چپلی سہیلی نے کہا ؎

ایسو ہے بھرتار دور سو طور دکھاوے ...... واکی بولی میں کٹر وانس پے آگر نہ ماوے
جب دھرے سیج پہ پاؤں نائے سو سو شرماوے ...... نہ ڈر و لکے خوف نام ئے دل دہشت لاوے

جانو بھونتو پھرے اجاڑ میں جاکی دہشت جو ہاری ہنک
سکھی ہمارا کنتھ کہے ادچیتا کو سو لنک

اتنا خوبصورت اور سجیلا جوان کوئی کوئی ہی ہوگا۔

اس تعریف کو سُن تو لیا مگر دوسری سہیلی سے نہ رہا گیا اور اپنے خاوند کی تعریف شروع کر دی ؎

چیتا کو کیا کام بکٹ میں جبا کا باسا ...... سکھی ہمارو کنتھ نیک نہ ہوئے براسا
جُوا چوپڑ کا کھیل شرط کا گیرے پاسا ...... جانو باجی کس کے ہوئے بج پہ لاٹے خلاصہ

ئے عورت تہ خاوامن تہ اندر تہ نظر شہ کٹو وا پن تہ گھومتا پھرے

مَن بھوجنُ دھن جیتو جیسے گج، ستی میمنت
جانو بَجّی بن گھومت پھرے بھینا اسو ہمارو کنتھ !

عورت ذات مطمئن گھریلو زندگی۔ تیسری نے اونچی گردن کر کے فخریہ لہجہ میں کہا ۔

تیر و جیتو نائے، نائے تریہ وہا تھی ...... سکھی ہمارو کنتھ کھول دیئے مُنگھ چھاتی
بن چھیڑو دُکھ دیئے دِشٹ سو بھاگنکر بھولے ...... سکھی ہمارو کنتھ سیج پر آن ستو لے

یجن سو بھاسا بو جو اونت اُٹھ گئے ہسانس
جاکی دیس جُو باری کرت ہے جانو باگا بکٹ بناس

ماچندر استار یا اب حُسن کی دیوی رسوک کی باری تھی۔ تینوں سہیلیاں اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ سب کے مجبور کرنے سے اپنی بپتا بھری رام کہانی کہہ سنائی ۔

کیا پھاگن، کیا چیت چڑھے بیساکھ سوایو ...... کہا جیٹھ اور ساڈھ رُوپ دھرتی پر آیو
ساون، بھادوں، کوار لگا کاتک متوالا ...... منگھر، پھوس اور ماہ چڑھا دیہی پھالا

بارہ ماس بالم سکھی ہنت دیکھو کمزور !
تم کو تو من بھر ملا موکو منتر ملون من چور

رسوک نے بلا کسی جھجھک کے بتا دیا کہ بیکار خاوند کے پلے پڑی ہے۔

ماچندرا تو اُس حسینہ کے تیرِ نظر کا صید تھا۔ ہزار دل و جان سے فریفتہ ہو گیا۔ خاوند سے بیزاری کا اظہار اُس کے لئے بھی حوصلہ افزا تھا۔ وہ بہر قیمت اس کا قرب حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن بات تو بنتی تنہائی میں۔ باقی سہیلیاں تو چل پڑیں رسوک نہ جانے کیوں گھر نہ جانا چاہتی تھی، وہیں ٹھہری رہی۔ وہ گئیں تو ماچندرا کو اپنی قسمت پر ناز ہونے لگا لیکن جلد ہی اس کے امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ پانچ اور عورتیں پنگھٹ پر آن دھمکیں۔ رسوک سمیت چھ ہو گئیں اور پہلے کی طرح ان میں چہلیں شروع ہو گئیں۔ پہلی سہیلی بولی ۔

ایک پَت دُوپت، تین پت چپہ پتے پو ریں ...... میرے آنگن بیکی جھنیا دکھ کو کھڑو برچھ

دکھیاری معلوم ہو رہی تھی۔ رسوک نے سوچا شاید اُسی کی سی قسمت لے کر آئی ہے

سُنکر دوسری کہنے لگی ؎

برچھت تو دے ات بھلا جنکی پنچھی بیٹھال چھانہہ ...... میرے آنگن سَرگُن جو بنت کی جیراں بانہہ

یہ محفل سنجیدہ تھی۔ اور رسوک کی اپنی ہی کہانی معلوم ہو رہی تھی۔ اتنے میں تیسری

بھی بول اٹھی ؎

سَرگُن بھی ات بھلا جن کی مُو نچ مُٹی لِپک جائے ...... میرے آنگن جرحٹ سلجھاو نت دِل جلائے

چوتھی اپنی باری پر بولی ؎

چرچٹا تو ات بھلا جن کی کوٹ پکا بے کھیر ...... میرے آنگن ڈکسول ہاں جرجت کا ماراں تیر

پانچویں اپنے گھریلو حالات سے دکھی تھی۔ کہنے لگی ؎

ڈگ سولا تو اَت بھلا جن مُو تُرَنت نکل جائے جیو ...... ای ماٹی کی سوکن بُری جو آدھو مانگے پیو

اُسے سوکن کا دُکھ تھا۔

اپنی اپنی کتھا سے کر دِل کی بھڑاس نکالی اور گھروں کو چلتی بنیں۔ لیکن رسوک اب بھی

گھر جانے سے کترا رہی تھی۔ وہ اِسی اُداسی کے عالم میں کنوئیں پر ہی کھڑی رہی۔ اسی سوچ میں کہ

شاید دِل کا درد سُننے کو اور کوئی بھی آجائے۔ ماجند را نے موقع غنیمت جانا اور درختوں کی

آوٹ سے نکل آیا۔ ایک مسافر کا رُوپ دھارا ہوا تھا۔ کہنے لگا ؎

تو دھمک کنواں پر چڑھ گئی تیرو جوبن جھوکا کھائے ...... میں مروں پیاسو گیلوا کا ئی نے پانی پیا یو نائے

خُوبرو، سجیلا جوان، رسوک نے دیکھا اور دیکھتے ہی مائل ہوگئی۔ بولی ؎

جے تو پانی کو پیا سو مرا مو سو پی لے آئے ...... جے تو پیا سو میرا رُوپ کو دیرے تو آج لگو ڈٹ جائے

یہ دعوت غیر متوقع تھی۔ ماجند را سُنتے ہی جھوم اٹھا۔ لیکن پہلے خواہش دیدار کی ؎

تیری پانگری کیسے ڈٹوں دیکھاں بہت سُرکھنا لوگ ...... گھونگھٹ کو پٹ کھول دے اب بلنا کو سنجوگ

اس خواہش کو رسوک نے اندازِ معشوقانہ میں ٹال دیا ۔

تو کو میرا گھونگھٹ کو پٹ نہ کھلے یا میں ہاں تُو چور ...... یہ دونوں پیو بکاؤ نا ان میں اک ہنسا اک مور

اتنا کہہ کر پچکاتی، گھڑا اٹھا کنوئیں سے چلدی۔ ماجندرا بھی پیچھے پیچھے چل کھڑا ہوا۔

رسوک اپنے گھر اور ماجندرا بازار کی طرف چلا گیا۔ اب پریشانی میں اضافہ ہی ہو رہا تھا کھیل، تماشے میں دل کہاں لگتا۔ نگاہوں میں اسی معشوقہ کی تصویر بس چکی تھی۔ اس کی تیرِ نظر کا گھائل ہو چکا تھا۔ نیند آنکھوں سے دُور۔ جوں توں کر کے رات کاٹی۔ صبح ہوئی تو سکنترا سے ملاقات ہوئی۔ وہ پریشانی کو بھانپ چکا تھا۔ پوچھا ۔

ہنسی خوشی دیکھو سدا کدی نہ دِل پر وِسواس ...... سب ساتھی کھیلت پھراں تو کیوں بھیو اُداس

ماجندرا نے دردِ دل، ٹھنڈی آہ بھر کر کہہ سُنایا ۔

جانو واکی بولی مور کر یل، نائے رانی کا نندا ...... جیسے چڑھے چودھویں رات کھلے امر بیں چندا

ایسی ناہی اُہلہ گود، نائے او رانی سیتا ...... ایسی دیہی نائے در روپ بہت جا پہ بھارت بیتا

روؤں تو جیا جلے بسوں تو چھوٹے ساتھ

واتیریا میں نجّس گھنا میرے کیسے آوے ہاتھ

سکنترا نے سنا۔ اور اپنے جگری دوست کی دلجوئی کے لئے طریق کار سوچنے لگا۔ سوچ سمجھ کر کہنے لگا ۔

جیسے کرشن لیئو اوتار جیت کی بن گو رانی ...... وا نے باہر دیو نکال بھوپ نے نہ پہچانی

ہوں راون سیتا دیکھ راج لنکا سو چھوڑا ...... کیچک دیکھ درروپ محل میں چڑھ تو ڑا

کھائے، پی لے، بھوگ لے، دل پر راکھ اکھین

ایسی چھلیے گیرانے موہتی او آر ملے گی ؛ ہیں

جوگی بھیس بدل کر اس کے گھر کے قریب ہی آسن لگا لو۔ چیلے کا فرض، میں ادا کروں گا

اگر رشی، جوگیوں پر اعتقاد والی ہوئی تو ضرور آئے گی۔ پھر اپنے من کی مراد پوری کر لینا۔

ماجندرا نے ایسا ہی کیا۔ دو چار دن بیتے رسوک اُس کے دھونا کے پاس پہنچی اور اپنے من کی مراد کہہ سُنائی، جوگی نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو ماجرا کچھ اور ہی پایا۔ رسوک کو مخاطب کر کے نقلی جوگی، اصلی عاشق نے کہا ؎

تَن سُو تج گے کاپڑا مَن سو اُڈ گی بھوک ...... نینن سو بندرا گئی، جیہرو تجگو رُوپ

رسوک بھی آتشِ عشق میں جل بھن رہی تھی، کہنے لگی ؎

برہ جال کا ٹھو بُرہ جاگی کا یا میں ترسول ...... جیہر بُروہے عشق کو میرے رالو مارال ہول

ماجندرا کہنے لگا ؎

جیسے تپسی تپے اجاڑ میں دھونا پہ اَودھوت ...... تیرے جوگی ہو پیچھے پھروں تن میں رما بھبوت

تو رسوک نے اپنی کیفیت بیان کی ؎

گن، پچھن، ماتھے بھنور، مَن کت مکٹ بھجنگ ...... جانو چپنا کرے بنجیڑ سو جوبن یا بد پلٹے رنگ

ماجندرا نے رسوک کے حسن وجمال کی توصیف کی ؎

سیپ سُونت، اُت گیند ھاجانو سمدر بھرے اکھار ...... پھر گچھ نتا پیا سا مراں کہا یہ یا گاکرت بچار

رسوک نے جواباً کہا۔

سیپ جیو بھینچی پڑی واکو کیا سمدر میں تول ...... بن دیکھے میوہ گھنی یا کو کون کرا دے مول

عاشق نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ؎

سُوم جوڑ دھن مرگیا تو بھی کس کو دیئے ...... سو وادے نریش گا جن کے من کی دولت پیئے

اتنے میں سکترا وہاں پہنچ گیا اور گروجی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گرو نے اس کو آنکھ کے اشارے سے چلتا کیا۔ پھر تنہائی ملی تو رسوک سے مخاطب ہوا ؎

تیرا پٹ گھونگھٹ کی اَوٹ چال تو چلا نمانی ...... تیری پائل کی جھنکار شرم کو دیکھ پانی

لمبو گھونگھٹ کاڑھ کے چلا انوکھی چال ...... اُونک میں کے دیکھ لی تیرو جوبن کرکے کمال

عورت کے حُسن کی تعریف کی جائے تو اُس کے لئے ایک خاص اُمنگ پیدا کر دیتی ہے ۔ رسوک اپنی تعریف سُنکر جامے میں پھولی نہ سمائی ۔ کہنے لگی ؎

جب تو موہے آ دیا یاد کری' نہ تو کو بھولوں .... میرو تھر ٹھر ہلے سر پر کھڑی پادن پہ جھولوں
یاد کروں من نہ لگے چلاں کلیجے ہوک .... تیری جوانی جوبن دیکھ کے موہے لگے بڑی بھوک

ماجندر ابھی عشق میں دھت ہو چکا تھا ۔ اور ایسا سنہری موقعہ باتیں کرنے کا کہاں مل سکتا تھا ۔ رسوک سے کہنے لگا ؎

میرا ڈو نینن کو اثر بدن پہ پڑ گو تیرے .... با پیاری عورت کو سنجوگ کلیجے کھٹکے میرے
آنکھن آگے دیکھ لوں رنگ چڑھا کو چاؤ .... دل بھینٹر سو نہ کھلی تیرو ہنسنو لگے سبھاؤ

سبھاؤ تو ہنس مکھ ہی تھا ۔ رسوک کہنے لگی کہ اس سے بد دل ہونے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ ؎

میر و ہنسنو دیکھ سبھاؤ غمی نہ دل پہ لایو .... جیسے درخت اُوپر بیل تو میرے من چھایو
گُھم تیاگ دوں آپنو جانے میں کتنی دُکھ پائی .... تیرا دل اُوپر چھائی رہوں جیسے سمندر میں کائی

کچھ اور آدمی وہاں آ گئے اور رسوک اجازت لے گھر کو چلی گئی ۔ دوسرے دن پھر موقع پاکر وہیں پہنچی تو ماجندرا دیکھتے ہی کہنے لگا ؎

جب میں دیکھوں تو سے دیکھ دل گھومے میرو .... تو منہ سو بولا نائے کہا من ایسو تیرو
نخرو تیری چلن کا عجب ادا نیالی .... اُوپر سو ہنس بولنی دیکھا بھینٹر سو کالی

رسوک کہنے لگی کہ مجھے غلط مت سمجھو ۔ اگر تم سچے عاشق بن گئے تو سچی معشوق میں بھی ثابت ہو جاؤں گی ؎

باہر سو کچھ اور ہوں بھیتر سو جیادہ .... پیچھے ہٹ سو نائے دیکھ تو میرا رادہ
ہو نسی تیرا ملن کی ہوتی پھروں بھجور .... تو سُو دھو کو کروں نائے چاہے دھڑ سو سر ہو جائے دور

اب تو ماجندرا خوشی سے جھوم گیا ۔ اور رسوک کی جذباتی انداز میں تعریف کی ؎

رنبو کی سی پھانک بدن میں دیکھاں تیرے ...... جیسے موتی ڈلڑی بیچ بسی من ایسے میرے
جوانی آدے لونتی جوبن تن کو کھائے ..... جن کا دل آپس میں مل گیا واسو تو ہم تو ہم بتلائے
تو رسوک بھی کہنے لگی ؎

پیچھے پیچھے پھروں بہت دل کو بھیلاؤں ...... جب تو آنکھن دیکھا نائے بتا میں کت کو جاؤں
من سو تو راجی ہوئی نائے پیٹ میں میل ..... جیں من کی دشنا بجھی میں نے دِوں کھنڈی گیل
ماجندرا کی اتنی بے تابی دیکھ کر رسوک نے اُسے دعوتِ وصل دی ؎

ہاتھن مہندی سجے نین جانے کجلا سارو ...... مُنہ پے بٹنو سجے، لگا تو موہے پیارو
گلی گلی تو مت پھرا نہ کچھ تیرو کام .... میں سنگھ رنگی پل ایک میں جوں جوں ہوئے سام
ماجندرا نے سنا تو خوشی سے سرشار ہو گیا۔ رسوک اجازت لے کر چلی گئی۔
اب سکنترا سے اُس کی تفصیلی بات چیت ہوئی۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا کہ رسوک
بج دھج کر آن پہنچی۔ اب اُس کے حُسن و جمال کو چار چاند لگ رہے تھے۔ ماجندرا کے پاس
پہنچتے ہی اُسے آنکھ کا اشارہ کیا۔ دو چار معتقد بیٹھے تھے۔ وہ چلے گئے تو تنہائی ہوئی۔ اور
رسوک سے مخاطب ہو کر اُس نے کہا ؎

تیرے پاؤں پاجاں نیوری، چھتیں ملاہار ...... سر پر جھبلا جھومکا نا گن تجھ پہ سارو سجے سنگار
رسوک اپنی تعریف سُن کر جھوم گئی اور کہنے لگی کہ ابھی تو آتنی کمی ہے ؎

میرے ہاتھ پچھیلی بانکٹ چھنیتں ہار نکھیرا ہوئے ...... بالی بُندان کا جھلکا پڑاں جب میں بجر دکھاؤں توئے
ماجندرا بولا ؎

میرے سگے کٹاری جگر میں کہا بکا واہوئے ...... سو سو آپونہ ڈٹے جب میں دیکھوں توئے
وہ جواب میں بولی ؎

میرو جوبن کالو ناگ ہے جب لوگوں تو کھائے ...... موکو من کو بلونہ گاوڑو اب جگ میں جینو نائے

کچھ اور آدمی دکھائی دیئے پھر بھی ماجندرا نے کہہ دیا ؎

ترا روپ سروپ بنی تیری اُتم پوری .... کایا کنچن بنی بدن سو دیکھی گوری

مرگا کا سا نین نار دیکھا چکوری

آبھا کی سی بجلی ایسی تیری چھال ...... توئے دیکھ دل ڈگ گیو میرے پڑا بیچ سال

اب تو رسوک کو جانا ہی پڑ گیا۔ دِل نہیں کرتا تھا۔ اب ملاقات پنگھٹ پر ہو گی کہہ کر چلی گئی۔ ساری رات کا مہیب دیو ماجندرا کے سامنے تھا۔ دن نکلنے کا انتظار کرتا رہا جب اُس نے دیکھا کہ رسوک کنوئیں کی طرف چل پڑی ہے ؎

پانی سر پہ اوح لیئو مانٹ کنوئیں چلدی پنہاری ...... اُپر دیکھو چیر بجن سے ایک اُتم ناری

ماجندرا بھی جوگیانہ لباس کو پرے پھینک کر پنگھٹ کی طرف چل دیا۔ رسوک کی طرف سے اِشارہ ہو چکا تھا ؎

آگے آگے میں چلوں میرے پیچھے تُو آیو ...... تُو تُو مو کھو دیکھ کے مو سو ڈھل ڈھل بتلایو

عشق میں دھت ماجندرا وہیں پہنچا اور رسوک سے کہنے لگا ؎

دِھت میری بتلایا سو نہ بجھ چاہے کتنا سمجھاواں ...... جب تو دیکھا خواب میں موئے نیند نہیں آواں

تو بے چین رسوک بھی بول اٹھی ؎

میں لوٹی رہول اندھیر میں کچھن سہا شے سے تہئے ...... راتو کا جنجال میں دِل میرو اُٹھ اُٹھ بیٹھو ہئے

رسوک اور ماجندرا کی بات چیت ہو رہی تھی کہ ایک اجنبی دور سے آتا دکھائی دیا۔ رسوک نے پہلی نظر میں ہی جان لیا کہ اُس کے میکے کا آدمی ہے۔ رسوک نے بتایا کہ ماں باپ کے پاس تو جانا ہی ہے۔ وہیں آ جانا۔ کسی نہ کسی طریق پر ملاقات کی راہ نکال لیا کرونگی ؎

بہت دِنا ڈھوکی پھری میرو تنک گمو نہ داؤ .... تو سو بتلاؤنگی دِل کھول کے میرا پی ہر تو ڈی آؤ

گھر واپس پہنچی۔ اُس کی رشتہ دار کے ساتھ دوسرے دن میکے روانہ ہو گئی۔ ماجندرا

کا جوگیا نہ ڈیرہ وہاں سے اُٹھ گیا۔ وہ اپنے زخمی دل کو مسوس رہا تھا۔ رسوک کی جُدائی اس کے لئے پل پل بھاری ہو رہی تھی۔ اور جب جُدائی ناقابلِ برداشت ہو گئی تو معشوق کے شہر گڑھ رسبوش جا پہنچا۔ جیسے تیسے رسوک کے گھر کا پتہ تو چلا لیا لیکن ملاقات کی سبیل نہ بن سکی۔ اتفاقاً ایک دِن رسوک پنگھٹ کی طرف جاتی دِکھائی دی۔ بے تابانہ اُدھر بھاگا۔ جُوں ہی دونوں بچھڑے ہوؤں کی نگاہیں چار ہوئیں تو ماجندرا بے قراری سے بول اٹھا:-

چندا کو نہ چاند تو رجنا ایس چھائی ...... تیرو بول کلیجہ کھا گیو میرا تو دل اُڈ رآئی

رسوک نے اُس کی دلجوئی کی خاطر اُس کے لباس کی تعریف کی:-

جن گھر آیا پاؤنا مورے نر کیے اُداس ...... میلو من تو کیس کرا تجے دو لو بچے لباس

لیکن ماجندرا کی تشفی نہ ہو سکی اور اُس نے اپنی پیش آمدہ تکالیف کا اظہار کیا:-

میں بہت دور سو چلو گیل کی کری سواری ...... چھلیاں گئی نہ دھوپ ملن کی چاہ تو نیاری

جُھم بسوہ سب تج دیا تیری لیتو ڈھول باس ...... جانے کوئی مورکھ نہ کو تج گیو تبے میں کر تو پھر دلاس

تو رسوک بھی کہنے لگی:-

جگ میں جیئو نائے کہا میں بچن نبھاؤں ...... میرو جی تب بیکار کہاں میں جیو دھراؤں

ایک بول پہ میں مری تو بھی بچنن کو مار د ...... مو بے ڈھونڈ تو تو پھرا جیسے موڑھی ہے بنجارہ

ملنے کو تو میں آ گیا۔ لیکن اب ہمیشہ کے لئے اکٹھا کیسے رہا جائے ماجندرا نے پوچھا:-

جب تو تو راجی ہوئی اب تو لگی پیت توڑا ...... یہ گر غائب ہو ئینگا جو تینے پاگل کر چھوڑا

رسوک نے دِلاسا دیا:-

تو میں میرو جیئو کبھو نہ تیسو موڑوں ...... گاڑھی دِل پہ پڑ گیو پیت نہ ہر گز توڑوں

تن کا پھاڑوں کاپڑا ہیر کا کھو لوں بھیک ...... تو سر کو دیکھو نہیں موکو منتر بلا انیک

حُسن کا بجپاری ان گنت ۔ لیکن جو خوبی رسوک کو ماجندرا میں نظر آئی اور جگہ مفقود تھی اُس کی اُداسی کا سبب پوچھا تو ماجندرا نے راستہ کی دشواری اور رسوک کی بے التفاتی کی شکایت کی ؎

سُن تریا میری بات پوچھ میں کیسے آیو ...... ڈھونڈی گیل شہر جیر و مشکل پایو
میں تو آیو علن کو کرکے تیری آس ...... تو منہ سو بولی نہیں میں بابدکھڑ اُداس

رسوک اُسے سمجھانے لگی ؎

تو کھالے پی لے بھوگ لے دِل کو کر لے پاک ...... میں آؤنگی ڈٹ سوں نہیں تو جی کو تھیاویں راکھ

وہ کافی دیر تک راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے ۔ جُدا ہونے لگے تو ماجندرا روتی سی صورت بنا کر کہنے لگا ؎

من کی بات بتلائے دے ای سمجھا دے موئے ...... تو آواگی کا دنا مو کو پل پل بھاری ہوئے

رسوک بھی جُدائی نہیں چاہتی تھی ۔ اُس نے ماجندرا کو ترکیب بتائی کہ حکیم کا روپ دھار اور ہمارے گھر کی طرف آؤ ۔ میں بیماری کا بہانہ بناؤں گی ۔ علاج معالجہ کے بہانے ملاقات خوب ہو سکے گی ۔ جب رسوک (مریض) اور ماجندرا (حکیم) کی آنکھیں چار ہوئیں اور تنہائی کے چند لمحات میسر ہوئے تو رسوک بولی ؎

منتر ملا تو دِل بھرا سو بھا پلنگ نوار ...... بن منتر من نہ لگے اب میں کس کو کروں سنگار

ماجندرا نے جواباً کہا ؎

تیری رنگ رنگیلی سیج پلنگ پہ پڑا سرہانہ ...... طرح طرح کا بھوگ دھرا چھتیسا کھانا
تو سو بھا ہا سیج کی نیچے پلنگ نوار ...... تریا اپنا یار کو پورا کرانے سنگھار

ماجندرا واپس جانے لگا تو رسوک بول اٹھی ؎

میں تیرا آیا سو راجی ہوئی من میں رہی سمائے ...... جانے کہا گھول کے پیا چلو مو پہ پل بھاری جائے

ماجندرا نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا ؎

سُدھ بُدھ چوکو کامنی ساری بھولو عقل اُمنگ ...... جے بس بس بیرو چلے تیرے بردم رہتو سنگ

رسوک نے چوٹ کی ؎

جھوٹنی پڑگی دوستی، جھوٹھو باتو یار ...... ایک وعدہ پورو نہ ہویو تیرو جھوٹھو سارو پیار

رسوک کا اشارہ تھا کہ " ہرچہ بادا باد " قیام اُسی کے شہر میں کیا جاوے۔ لیکن ماجندرا کی حکمت کا تو ڈھونگ رچا ہوا تھا۔ اُسے بھانڈا پھوٹنے کا خدشہ تھا۔ اُس نے اپنی انتہائی دوستی اور پیار دُھرایا ؎

لیلےٰ، مجنوں ہویا، عاشقی پوری کرگا ...... اور ایسے ہی رانجھا ہیر اُنت دنیا سو مرگا

جانے کتنا عاشق ہوگیا جگ میں رہون کوئے ...... جندہ رہا تو پھر ملاں کیس ترساوا موئے

رسوک کے دِل پر بھی ضربِ عشق کاری تھی۔ جدائی کے کٹھن لمحات کو برداشت کرنا اُس کے بس کی بات نہ تھی چنانچہ چلتے ہوئے ماجندرا کو بتادیا کہ ؎

میں تو آؤنگی ڈٹ سو نہیں پوری سنگ چلوں ...... تو پہنچ شہر گجر اُس میں تو سُرل باغ ملوں

ماجندرا نے واپس آکر سکنترا کو ساری داستان کہہ سُنائی۔ سُرل باغ میں ہونیوالی ملاقات کا بھی تذکرہ کردیا۔ رسوک وعدہ کے مطابق پہنچی۔ لیکن ماجندرا وقت پر نہ پہنچ سکا۔ آدھی رات کا سمے، طوطا اور مینا سرل باغ کے رکھوالے۔ باری باری سوتے اور پہرہ دیتے رہے ؎

جب پی ہر سو چلی پاؤں کی پایل سے باجی ...... پیا سُو ناراج رہے منتر سُو راجے

سولہو کرے سنگار بتیسو آپ دکھاوے ...... آنچل کھول بھبیک چھُٹی باغن کو جاوے

آنچل کھول بھبیک رس کو مُل بر نا بول

تیرو ہنس بھگو، منی، کیسے تو رہی باغ میں ڈول

پہنچتے ہی باغ کے دروازے پر ایک ہُوک بھر کر کہا ؂

پیڑ پیڑ پر ہو پھری ڈھونڈھو ڈالی ڈالی پھول …… کت کو دیہہ چھپا گیو نالاں بیدی کا اَپھول
پیڑ پیڑ پہ ہو پھری ڈھونڈھو ڈالی ڈالی پات …… تو مِتر کا بِن کو میں تڑپوں سمت آدھی رات

اِس دُکھ بھری آواز کو طوطا سُن پایا اور مینا کو جگا کے بولا ؂

سوتی ہو اُٹھ جاگ نیند تن میں مت لایو …… کہ کوئی تپسی آگو ہین نائے کوئی دُکھیا آیو
مینا سو طوطا کہے سوتی ہو اُٹھ جاگ …… ہیں کہ کوئی دھنسو تپیسری نہیں کوئی دُکھیا آگو باغ

مینا نیند سے بیدار ہوئی اور رسوک کو دیکھ کر بولی ؂

سُن طوطا میری بات خبر نہ یا کا دِل کی …… دِھشت ہو کی آگ بجھانی ہے مشکل کی
طوطا سو مینا کہے سو جا سمت آدھی رات …… ای دُکھیا نائے تپیسری ہے کوئی ساری بچھڑ ساتھ

تو پھر طوطا بھی بول اُٹھا ؂

ہیو مار کا من کھڑی درخت بیچے چھپاں …… ای ہنکارہ بھرتی پھرے پابے جتر دیکھو ناں

مینا رسوک کو مخاطب کر کے کہنے ہی والی تھی کہ اُس کا عاشق ماجندرا بھاگم بھاگ وہاں پہنچ ہی گیا اور کہنے لگا ؂

ہیں وعدہ کر پہنچو نہیں پورا بھیو گو قول …… جا کو رُوپ کہرا ، ناگن ٹ، اُو یہی باغ میں ڈول

پہنچتے ہی ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہا، طوطا تو سُن ہی رہا تھا ؂

پھول دیکھ اچی ہو یو درخت میں خوشبو ئے …… پھلت دیکھ سیوا کری کا من کیسے بسروں تھوئے

طوطا اِس بے وقوف عاشق کو سمجھانا چاہتا تھا کہ رسوک بھاگی اور ماجندرا سے لپٹ گئی ۔ کافی دیر تک شکوے شکایت، اور پیار بھری باتیں ہوتی رہیں ۔ آخر دونوں نے چوپڑ بچھائی اور کھیلنے لگے ؂

بلا لوئے سو لوئے بلا اک نر اور ناری …… چوپڑ دئی بچھائے بیٹھ کا دو کھلاری

چھوڑ لی بچھرائے ہاتھ میں لینا پاسا ...... پھینکاں اپنے اپنے وار عقل کا دیکھ تماشا

پاسا لینا ہاتھ میں پھینکاں اپنے اپنے وار
پیتم مل گا باغ میں دونوں باہنہ پسار

رسوک نے پہلا پانسا ہاتھ میں لیا اور پھینک کر بولی ؎

دیکھ دیکھ راجی ہوئی مت تو موسو دکھ پایو ...... من بل گا کیسے چھٹاں کیس تیسنے جوبن ترسایو

جواب میں ماجندر ا کہنے لگا ؎

جب توئے دیکھوں بولتی جانے کوئی بولے الترہین ...... تیرا تو دیکھا ہی سوہن بھر جب بلال نین سو نین
ساون میں کوئل بکے باغن مورا مارے کوک ...... جانے کوئی بڑیل بولی محل میں تو اتنی لگا ملوک

اور پھر رسوک کے جوبن کی تعریف کی یہی تعریف تو عورت کی کمزوری ہے ؎

تیرو تن بھورو من ہنسے جب تیری بنی بتیسی ...... تیرو جوبن نرالے عطر جانے بھرد لیو دشیشی
کیسا تیرا بالے کمر پہ پڑا چوٹیلا ...... لجبلا لجبلا نین بدن ای دیکھے ڈھیلا

چال چلا دگلا ہنساں، تیرو پلو جھٹکا کھائے
بولی کوئل رنگ کی جانے کوئی مدد رہو کہلائے

تو رسوک بھی اپنی تعریف خود ہی کرنے لگی ؎

میں ابھاگی سی بجلی ایسی میری لوئے ...... تیرا ہاتھن میں جتی رہول راکھانے مہندی کر کے موئے
جیسے چاند چودہویں رات کو موئے تو گہلا کر سارا ...... تیرا چہرہ پہ چمکو کروں جیسے آسمانی تارا

ساون رت رجناس کی جا میں ابر چھٹکے روپ
جیسے بادل بھیتر بجلی میں تو اتنی بنی ملوک

ماجندر نے تعریف کے پل ہی باندھ دیے ؎

مور مکٹ اُت چال قدم تیریا نے گیرا ...... دی سانچا میں ڈھال بھلا کاریگر تیرا
ڈول بول تو کو سجاں تیری کایا بنی ستول ...... کہا تیری کروں سفارش رُوپکی ان آنکھن کو کیا مول

اور پھر اُس کے گھریلو حالات کا ذکر چھیڑ دیا۔ جن کی ضرورت نہ تھی ؎

جیسے کالا بادل بیچ بجلی لہرا کھاوے ...... چندا کھلے آگاس روشنی کیسے آوے
چندا کھلے آگاش میں تارا نینن مائے ...... تیرا چہرہ اُوپر روشنی ہے ہرگز دیکھے نائے

تو رسوک کو اپنی کانٹوں بھری بپتا کہنا پڑی، وہ روتی ہوئی کہنے لگی ؎

منہ سو بولے نائے رات اپنی کو کاٹوں ...... جوبن بلے ہول کھو یا ہے کیسے ڈاٹوں
بدی کروں وو رنج ملے نیکی کیسے ہوئے ...... پیٹے پڑے ہیٹو ڑو جلے اپنا ہی کرم کو روئے

سکنترا کو بھی اس ملاقات اور جگہ کا پتہ تھا۔ وہ بھی وہیں پہنچ گیا۔ اُسے دیکھ کر رسوک خوفزدہ سی ہو گئی۔ لیکن ماجندر نے بتایا کہ اپنا ہی آدمی ہے۔ تھوڑی سی مہلت مانگ کے ماجندر اُس کے پاس پہنچا تو رسوک کہنے لگی ؎

سنیارا گہنا گھڑے کدی نہ گھڑے لہار ...... کھوٹی یاری تمہاری کدی نہ جاوے پار

یہ بات سُنکر ماجندر دکھی تو ہوا لیکن کہا کچھ نہیں، اور سکنترا کو ساری رام کہانی کہہ سُنائی تو وہ کہنے لگا کہ عشق کی ایک حد ہوتی ہے۔ آگے قدم بڑھانا تو مناسب نہیں۔ آگے تمہاری مرضی۔ مینا بھی جاگ رہی تھی وہ کہنے لگی ؎

طوطا طوطے میں عشق نے داؤ جمایا ...... دیکھ پرائی نار جیبو کیسے للچایا
عشق ہوئے بھرو اور کام مت کیجے کھوٹا ...... لگے کٹم کو داغ ہوئے بدنام سٹیٹا

خوشبوئی با خلق ہیں سنگلے ہو جائے پار
مت تو تکا پرائی کامنی کہا جیو اگو برس ہجار

اُدھر سے طوطا بھی کہنے لگا کہ اس موڑ کو عاشق کو سمجھائے کون ؎

پھرا، دیکھ راجی ہویو درخت پہ خوشبو ئے ...... پھلت دیکھ سیوا کرے ایسو مورکھ نہ کوئے

مینا نے بھی ایک حقیقت کی طرف توجہ دلائی ۔

پھل میٹھا پتہ کوڑا، درخت میں بدبوئے ...... مورکھ تو سمجھے نہیں جے کوئی چاتر سن رد ہوئے

یہ سُنکر راجندرا کہنے لگا ۔

درخت میں بدبو نہیں پتہ کڑوا نائے ...... پھل میٹھا ایسے لگاں جے کوئی یذی پار لگائے

لیکن طوطا کہنے لگا کہ مورکھ تو مورکھ ہی رہے گا ۔ اگر حقیقت سے پردہ اٹھادوں

تو مینا بھی ناراض ہوجائے گی، لیکن کہوں گا ضرور ۔

کیا تریا کی جات پیٹ کو سیت لیا وے ...... خاص مرد کی بات یار کو جا بتاوے

یا میں چرتر ہجار مرد نے قدر نہ پائی ...... یا کی ہلاں اور سو آنکھ پلک میں سوئے برائی

گورکھ بھیلنی بنی ہڑو نرہ شنکر جوگی ...... واسکا کٹوا دینا بھیک عقل بدھ وا کی کھوگی

تریا اُتم پیت گھر جھوٹی کرے پچھان

تریا کی پیت جو کراں وے نرڈوبا جان

یہ سُن کر مینا کہنے لگی کہ عورت کا درجہ جہاں میں بہت اونچا ہے۔ اُس کی کوکھ

سے تو ایسے حضرات نے جنم لیا ہے۔ جن پر تا قیامت فخر کیا جاویگا۔ یہ بے چاری اِس

حقیقت سے ناآشنا تھی ۔

حضرت ابراہیمؑ جنگ جانے کرا بتن سو ...... علیؓ خدا کو شیر کفر تجبہ یا وطن سو

ہستی میراں صاحب ہویا پیدا کامن سو

آدمؑ سو رچن رچے حوّا سو خلق جہانے

آنے کو غلطے کرے معافی سالے دیکھو آنے کو دے ایمانے

یہ بات رسوک پر اثر کر گئی۔ اُس نے فیصلہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو اپنا ہی گھر آباد کرے گی۔ راجندرا نے بھی بُت کی طرح مبہوت کھڑا تھا کچھ نہ بولا۔ رسوک واپس چلدی اور مینا نے فخریہ انداز میں کہا۔ اب اُسے عورت کی عزت اور بلند رُتبے کا احساس ہوگیا۔ اور اب دُنیا کی کوئی طاقت اِس کے فیصلہ کو نہیں بدل سکے گی

راجہ راج اور پرجا چین

شاعر

سر پر رب کو ہاتھ عقل سے کو دیو نہ توڑو

کہے عشق سے کہ بات عجب ای سے دیکھو جوڑو

بیٹھے بیٹھے بات دھیان سے میرا بیں سے آئے

جب کہ ہر چو نسخہ کو سال سے بنا ای سے چرچا گائے

عقل سے بدھ تو بہت سب سے مو کو رب نے دیو گیان سے

قصہ عاشق سے اور معشوق سے کو امر خال کہتہ کرے بیان سے

اودیس سو آون والا

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
سُو	سے	بانغن	باغ کی جمع
آوَنُ والا	آنے والے	ڈولاں ہاں	پھرتی ہیں
وا	اُس	سِنگھ	شیر
مَوسُو	مجھ سے	دھاڑاہاں	دھاڑتے ہیں
گیو	گیا	بوڈھی ٹھیری	بوڑھی بڑی
اَیپر	لیکن ، مگر	چڑیا کی بات	چھوٹے بچوں کے لئے میواتی کی مشہور کہانی
ہوں	وہاں		
کہا	کیا	چاکھی	چکی
گڈھ والا	گاڑی بان	سیدوسی	صبح سویرے
ہاں	ہیں	لَیوَنُ	لینے ، لانے کیلئے
رُت وائی	لمبی ٹیر کا گانا	ھالی (الھم الھے)	ہل چلانے والے
چکارا (دوتارہ)	باجا کی ایک قسم	رَسِیا	رومانوی گانا
مدھ ماتی	جوانی کے نشہ میں چور	ڈوہا	دُوہا
گیلوڑا	مسافر	گاواں ہاں	گاتے ہیں
بانسی	ہنسی	مَیلا	دوپہر کا بیلوں کیلئے چارہ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
دادا چوکھا	میوات کے مشہور و	اُدجھو	پھر، دوبارہ
	معروف بزرگ	واڑی	دوست، ساتھی
ملیدو	مَلیدہ	سندیس	پیغام
ہسابو	صحابہ کی بگڑی شکل	جایو	جانا
	"میوات میں روایت تھی	باسی	بسنے والے
	کہ ایک سفید پوش بزرگ	ہا	تھے
	رات کے وقت ایک	بانو	لباس
	مخصوص انداز میں	چھل کپٹ	ہیر پھیر، دھوکہ، فریب
	گھومتے پھرتے ہیں"	تجے	ترک کرنا
چھوچھک	بیٹی کے ہاں پہلوٹا لڑکا	تیاگے ہی	ترک کرتی تھی
	ہونے پر میکے والوں کی	بگڑا	عیار
	طرف سے دان، دہیج	کوٹ کچہری سا ہووے ہی	مقدمہ بازی ہوتی تھی
ماندھا	دعوتِ ولیمہ	کنّیا	معصوم، کنواری
نوسی	دُلہن	پرتیت	عزت
چھوری	لڑکی	مہر	محبت
کھجورا	آٹے کی کھجور نما تیل میں	نیائے	انصاف
	تلی ہوئی سوغات جو	دھرم	مذہب
	دلہن سسرال میں لاتی ہے	لوبھ	لالچ

الفاظ	معانی
اُنیائے	بے انصافی
بھینا	بہن
رینا	رات

حاجی قاسم کی بات

الفاظ	معانی
منتی	منت، سماجت
ھردو	دل
اُپرنت	علاوہ
مہا	بہت
من مانی	من بھائی، اچھی لگی
لیئر	لے کے
نیڑے	نزدیک
بہڑنا	لوٹنا
سَمُندُ	سمندر
لجت	لذت
براتو	پرایا
واہی	اسی

الفاظ	معانی
ادھیر	درمیان میں
تنک	ذرا
سیو	سیب
دھنّے	صد تحسین
اسناؤ	داماد
سگلے	ہرجگہ، تمام
آدر	عزت
دیابند	رحمدل
ڈاوری	بیٹی
استری	عورت
ساسرے	سسرال
جکر	ذکر
ملون پیو	پیا نہیں ملا
سائیو	خاوند، یتیم
بروح	رونا، دھونا
رنواس	زنانہ محل
چرچندی	مکار
چرچ	فریب

الفاظ	معانی
سیس	سر
ایھیاگت	مجبور، لاچار
بنس	خاندان
گیلا	راستہ
موکھلا	کھلا
جت	جدھر
جات	ذات، خاندانی
سریر	جسم
دھائے	روانہ ہوئے
ٹھاڈا	اپربل، طاقتور
لگا	لگے
سمت	وقت
تماڑگو	دھتکار گیا
کانن کنڈل	کانوں کے جھمکے
سرے	بنے
رون	روتا دھونا
گرد	چھری
ہینڈر	سوتیلی

الفاظ	معانی
جمبو	گیدڑ
پھول تنتا	پھولوں میں تکنے والی
کوھکر	کتا
لکھی	لکھپتی
منکھادیہہ	انسانی جسم
اوہلے	اوٹ میں
پہرن کو	پہننے کو
لکھا چھٹی کا	تقدیر کا لکھا
کمبتی	کمتی
من بھولو کروں	دل بہلاؤں
دو دھارو	تلوار، کھانڈا
سونگن لگو	سونگھنے لگا
پرجا	دنیا
ان ہونی	نہ ہونیوالی، عجیب
امان	ایمان
کھیڑو	گاؤں
اوڑکی	ہمیشہ کی

الفاظ	معانی
وادیں کس کے	اچھی طرح دیکھ لے
سائیں	خاوند
گوڑی ساکھ بھرا	ناحق حمایت کرنا
درس	درشن
پچیت	ہوش
دھولو	سفید
جن بھر	جانور
چرپائی	چارپائی
پہ بچگا	کوشش کر گئے
جس	کامیابی
ستواون	نیک سیرت
دھیر بندھاؤ	حوصلہ کرو
مجاق	مذاق
جوہ	بیوی
لوبھ	لالچ
دسوٹو	جلاوطنی
رنگے	شاباش
شرسا	طاقت ور

الفاظ	معانی
کلہوٹٹ	کروٹ
دسا	قسمت

شاہ جمال

الفاظ	معانی
بگداد	پیٹ
ہیک	ہانک
ان منو	اداس
جا دن جملا جنیو	جس دن جمال نے جنم لیا
لگار	لگا کے
سیال	گیدڑ
کوئیل کنٹھ	کوئل کا سا گلا
تاکے بولت بھی انند	جسکے بولنے سے سکھ ملے
اچرج	حیرانی
بھیتر	اندر
سنگر	چوٹی
چرنتا	چرنے والی
ناگر پان	ڈالی، پتے

الفاظ	معانی
اُونڈو	گہرا، نیچا
گاھڑ	بادل
گاج	گرج
نیاؤ	انصاف
مطالب	مطلب، غرض
گُربت	تڑپ رہی
حدف	بے حد
گیند گت	گیند کی طرح
ہیئے	دل
سَال	سوراخ
ماتے ایک بر	ایک دفعہ پوچھے
رُوڈھ	ہونٹ
بھاری	برتن
دُوکھ باجی	دُکھنے لگی
جوری	زبردستی
ھریا	پنساری
گندھی	عطر فروش
دُرجنڈا	بہت بُری گالی

الفاظ	معانی
پھٹ رنڈی	بہت بُری گالی
چتیرواں	مزدوری
ڈرہاے	کرائے لئے
کاشی کروت	کاشی متھرا
اگھائے	دل بھر کرکے
تلاوڑی	چھوٹا سا جوہڑ
کہر	شیر
کہر کیس بھجنگ من سرناہی سورا	شیر کی مونچھ کا بال، سانپ کا من اور جواں مرد کا پناہ یافتہ ملنا مشکل ہے

گورجام کو چلے

الفاظ	معانی
ٹیک	اجازت، نصیحت
اکھین	یقین
تین بچن	پکا وعدہ
تھیاوس	تسلی
راکھ	راکھ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
کاکی	چچی	بنیتی	چُننا
پرُوار	خاندان	اپر	لیکن
باٹ	انتظار	تکھائی	دیکھا
جگھے	جدھر	بودی	کمزور
سُرت لگائی	چل پڑا	موری	بے وقوف
ڈبکائی	چھپائی	بھیک	لمبے لمبے بال
ٹوک	خوبصورت	تاڑی	تاڑ دی، دوڑا دی، ترک کر دی
موچڑی	جوتی	واجی	نوکرانی
بھروتی	تکمیل	ٹاکترنی	قینچی
جار کہی	جاکر کہا	بھارال	مغرور
کسوہر	ساڑھی کی قسم	جادنا	جس دن
سین	آنکھ مارنا	گیلے	ساتھ
ناد	سنکھ	بکان	بہکانے
سریر	جسم	واکی گھالی	اُس کی خاطر
بیر	جادو کی شکل	مُن زیر	بالکا
دھونا پانی موہنڈ مارے ہی	کھانا پکاتی تھی	وادیں	اچھی طرح
بر	رشتہ	پچھیا	بھیک
پھیل	فعل، حرکت	ماکھی	مکھی

الفاظ	معانی
اُجاتو	آزماتا
سُودھ کے	سوچ کر

حال میں کیا صورتیں ہونگی

الفاظ	معانی
ہیلا	آواز، بُلا بُلا کر
اچبیا	اچنبھا
بھالا	اشارہ
ملکاموت	ملک الموت
ہڑومان	ہنومان
بدیا	علم
بھکو	مصیبت
پنڈھ	پانڈو
بھک گو	کھا گیا
سُنا	سونا
گونچا	کوچ
پاکھر	کاٹھی
بت پروستی	بُت پرستی

الفاظ	معانی
کھاتی	بڑھئی
کھینچر	کھینچ کے
سُود باندی	نشانہ باندھا
فِراؤن	فرعون
بھانکر	ہنکار
ابھےمان	تکبر

مونجیا بالیسری

الفاظ	معانی
اُودھم	شور، شرابا
کنتھ	خاوند
گھوڑلو	گھوڑا
میمنت	ہاتھی
گیاسی	کُک
اچھر	حسینہ
موسگری	مجھ جیسی
ہتھیاری	لاچار
باٹ	انتظار

الفاظ	معانی
اکھے تیج	ایک ہندو تہوار
بھی	ہوئی
بال	ہوا
ہینوڑا	کلیجہ
ہینوال	ٹھنڈک
ریر	ہوا
سُرنگ	سُرمئی رنگ
ساونت	جس کا ایک ہاتھ گھٹنے سے نیچے ہو، بیحد بہادر
اَدگھنتے	دن نکلتے ہی
نیکہ	اچھے
سَون	شگون
لچھمی	نیک بختی
چھتری	جوانمرد
تھاہ	خبر
مہاکو	ہمارا
ماندو	بیمار
آڈی دیے	رو کے

الفاظ	معانی
باپخ	پڑھ
سُورا	سُورما
ٹھکرائی	ٹھاکرپن
کال	کل
جیوَت	جیوتے
ہاں	فائدہ
اِت	اِدھر
باہے	چلائے
بھک جھور	فوج
وا کے	اُس کے
چیت	خبر، ہوش
کھیت رہو	مارا گیا
بھیڑ	مصیبت
ڈانڈا	سرحد
روس	غصہ
کوڑہ	کوڑے
چیتاکیں نے	کیوں نہیں ہوش کرنے
ریس	برابری

الفاظ	معانی
ہیبت	دھیان
نوتھ	لاش
رکتن	خون سے
کیچ	کیچڑ
بگھوتی	تلوار
ترنگن	گھوڑے
اکسار	ایک جیسی
دل	لشکر
بھارت منڈھا	جنگ ہوئی
تنت	انجام
دھن	بیوی
بیجل	بجلی
لپ لپ	بار بار
بیک	اجازت، نصیحت
اگھائے	دل بھر کے
مٹاں	مٹ جائیں
دگدا (دبدا)	سوچ خیال
لوہن	سواری

الفاظ	معانی
بھوں	بہت
دورج	دور
لاکڑا لینا	ستی ہونا
کرہو	اونٹ
پارج	پار ترنا
توڑا ٹوٹن	قطع تعلق
گونٹھی	انگوٹھی
نیروں	بیان کروں

شیر سنگھ کی آپ بیتی

الفاظ	معانی
نجانہ	خزانہ
چوماسہ	برسات کے چار مہینے
اندری	مردانہ عضو تناسل
کڑبو	کڑوا
بھاؤنی	بپتا، مصیبت
بھیماتا	قسمت لکھنے کی دیوی
کیں	کیوں

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
برچھ	درخت	چھتین	چھاتی
سرکنا	سرکنڈا	جھومکا	
ڈگسول	لمبے لمبے کانٹے	پچھیلی	میوانی زیور
مورکریل	مور کی قسم	بانکڑہ	
اہلہ	اہلیہ	بنداں	
جلیسرتھ	جسرتھ	گاوڑو	سانپ کے کاٹے کا معالج
ہول	ہوک	چلکوری	شوخ
اودھوت	فقیر	اُپچ لیو	وزن کا سر پر اٹھانا
مکٹ	تاج، کلغی	مانڑے	گھڑا
گجدنتا	ہاتھی کے دانت	موکھو	موقع
ہونسی	خواہشمند	ڈُھل ڈُھل	دل کھول کر
ڈُومتی	جھومتی	دھت	مست، مخمور
رِدنو	سارے دن، دن بھر	کچھن	کچھ نہ، کچھ نہیں
کجلا	کجرا، کاجل، سُرمہ	ڈُھوکی	چھپی
سارو	ڈارو، ڈالا	توڑی	تک
بٹنو	اُبٹنا	رُجنالیس	رونق
سگرونگی	سجونگی	باس	بُو
بیوری	ایک زیور	اینک	بہت، ہر کوئی

میواتی علم و ادب کے یہ "بنجاری" علاقہ میوات کے مرکز بھارت کے شہر الور کے نواحی گاؤں "بڑمے" کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے۔ سینگل واٹی کے اس گاؤں میں باگھوڑیا گوت کے اس خاندان کی شہرت "خوشیا پہلوان" کی وجہ سے پوری میوات میں تھی۔ جو ہمارے ادیب کے سگے تایا تھے۔

بچپن ہی تھا کہ تقسیم ہند ہوئی۔ اور ان کا گھرانہ پاکستان چلا آیا۔ لاہور کے نواح میں "رائیاں" گاؤں میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہیں سے ان کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ پرائمری تک گاؤں میں تعلیم حاصل کی۔ پھر سینٹ پیٹرز ہائی سکول کلارک آباد ضلع قصور سے امتیاز کے ساتھ مڈل پاس کیا۔ رائے ونڈ سے میٹرک ۱۹۵۸ء میں امتیازی حیثیت سے پاس کر کے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ سال ۱۹۶۲ء میں بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی تھی کہ میواتی معاشرہ میں رچی بسی روایتی بغض و حسد کی بناء پر مقدمہ بازی کی مذموم لعنتوں سے بری طرح متاثر ہو کر تلاشِ معاش میں دو سال تک در در کی خاک چھانی۔ اپنے بیگانے ہوئے۔ کوئی بھی دستِ نگر نہ بنا۔

حالاتِ ناموافق کے تھپیڑے سہتے ہوئے اواخرِ ۱۹۶۴ء میں ہمدرد (وقف) لاہور میں ملازمت حاصل کی۔ اس عظیم خادمِ خلق ادارے سے ان پر ادبی

رنگ چڑھا۔ ۱۹۶۲ء میں گھریلو پریشانیوں سے زیرِ بار ہو کر "ہمدرد" کی نوکری چھوڑ دی۔ لیکن معاشی حالات دِگرگوں تھے۔ پھر موجودہ ملازمت ملی جس میں اب تک جُتے ہوئے ہیں۔

میواتی علم و ادب پر کام کرنے کے لئے انہیں میوات کے نامور مائیہ ناز سپوت "چودھری خورشید احمد خاں" ساکرس والے نے آمادہ کیا۔ خورشید دوستوں کے دوست اور میوات کے پرستار تھے۔ وہ تو ۳۰ اگست ۱۹۷۰ء کو قتل کر دیئے گئے تاہم میواتی ادب پر کام کرنے کا بیڑہ اس کم گو، دیدہ ریز اور محنت کش نے اٹھا ہی لیا۔ خورشید احمد خاں مرحوم کے بعد ہمارے ادیب کا ازلی و ابدی تعلق میواتی علم و ادب کے "محرک" چودھری شمس الدین (ریٹائرڈ) ایڈیشنل اینڈ ڈسٹرکٹ سیشن جج سے ہو گیا۔ چودھری صاحب بھی ۱۰ مئی ۱۹۷۶ء کو داغِ جدائی دے کر ان ناتواں کندھوں پر ساری بوجھ لاد گئے۔ البتہ چودھری شمس الدین نے ہمارے مؤلف کے لئے ایک جادۂ عیاں واضح کر دیا۔

میواتی ادب پر ان کے کام کو ان ہر دو حضرات کے لئے خراجِ تحسین کا نام دوں تو بے جا نہ ہوگا۔

مؤلفِ موصوف نے ۱۹۷۴ء میں ایم۔ اے (اُردو) کا امتحان پاس کیا تو ان کے لئے میواتی اور اُردو کا تعلق اہم ترین موضوع بن گیا۔ اُردو کے علاوہ فارسی، ہندی اور پنجابی پر انہیں مکمل عبور حاصل ہے۔

ادبی کارنامے

پہلی کتاب "حکایاتِ میوات" کو تین جلدوں میں مرتب کر لیا ہے۔ ابھی جلدِ اوّل ہی کی طباعت کا اہتمام ہو سکا ہے۔ دوسری کتاب "شعر المیوات" ہے جو ضخیم ہے اور میواتی

علم وادب کی جامع اور مکمل تاریخ۔ میواتی شاعری اور ادب پر اس میں سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ تیسری کاوش "نامورانِ میوات" ہے۔ جس میں میوات کے نامور اکابرین کا بھرپور خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

"ان جواہر پاروں کی طباعت کب ہو سکے گی" وقت ہی بتلائے گا قوم کے تعاون کی از بس ضرورت ہے۔ میواتی زُبان میں تحریر کا نمونہ ان کا ایک اور اہم کارنامہ ہے۔ جس کی متابعت دیگر حضرات بآسانی کر سکیں گے۔

"سچ بکے سو میٹھا ہوئے" ان کا نصب العین ہے۔ اس پر مستقل مزاجی سے عمل پیرا ہیں۔ حالات اور عمر نے وفا کی تو ہمارے یہ ادیب علم وادب کے اُفق پر درحقیقت خورشید بن کر تابندگی دکھائیں گے۔

نبی احمد خان۔ ایم۔ اے۔ بی ایڈ۔
قصور

پڑھنے والوں سے

میوات اکیڈمی آپ کی بہت شکر گزار ہو گی۔ اگر آپ ہمیں اس کتاب، اس کی ترتیب، ڈیزائن، طباعت، کے بارے میں اپنی رائے لکھیں، اس کے علاوہ بھی اگر آپ کوئی مشورہ دے سکیں تو ہم ممنون ہوں گے۔

ہمارا پتہ

میوات اکیڈمی

المراد منزل، عقب جنرل ہسپتال، فیروزپور روڈ۔ لاہور

۱
شعر المیوات
میواتی کے علم و ادب کی جامع اور مکمل
تاریخ
"شعر المیوات"
مرتب و تالیف فہیم خاں میواتی
زیر طباعت ہے
۲
"کاگ اور کاگلی"
میواتی زبان میں ایک مزاحیہ کہانی جے
میواتی کے شاعر "امر خاں" نے بنایا
اور ترتیب دیا
نبی احمد خاں نے